علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

شوال المکرم
مئی 2022

عید مبارک

پیارے پیارے بچوں کے لیے بیت العلم کی نئی کتابیں

والدین و سرپرست حضرات سے گزارش

بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے....کہانیاں سننے سے ان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں....بچوں کی کتابوں سے دوستی ہوجاتی ہے اور آداب سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کتاب دوست بنانے کے لیے یہ کتابیں ضرور پڑھ کر سنائیں، کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں بچوں کی مدد بھی کریں۔

اب Playstore سے ڈاؤن لوڈ کریں۔

GET IT ON Google Play

maktababaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت، سورۂ بقرہ: ۱۲۷)

اور اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی (ان کے ساتھ شریک تھے اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے:) ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بے شک آپ، اور صرف آپ ہی، ہر ایک کی سننے والے، ہر ایک کو جاننے والے ہیں۔“

پیارے بچو!

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنی اہلیہ اور بیٹے کو خانہ کعبہ کے قریب ٹھہرادیں، جہاں اُس وقت کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرتے ہوئے اپنی اہلیہ اور بیٹے کو وہاں ٹھہرایا اور خود اپنے ملک، ملکِ شام واپس تشریف لے آئے۔ ایک روز آپ علیہ السلام اپنے اہل وعیال سے ملنے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے ہیں۔ وہ اپنے والد کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ ملاقات کے بعد والد محترم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام، یعنی بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ کیا آپ اس میں میری مدد کریں گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام فوراً تیار ہوگئے اور اس طرح دونوں باپ بیٹے اس عظیم کام میں مشغول ہوگئے اور یہ دعا مانگتے جاتے: ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم (اے اللہ! ہمارے اِس عمل کو قبول فرمالیجیے۔ آپ ہماری دعا کو سنتے ہیں اور ہماری نیتوں کو جانتے ہیں۔)

عزیز ساتھیو!

یہ واقعہ ہمیں سکھلا رہا ہے کہ

۱۔ اپنے ہر کام کے بعد اِس مذکورہ بالا دعا کو مانگنا چاہیے اور یہ نیت رکھنی چاہیے کہ اے اللہ! میں نے یہ کام اِس لیے نہیں کیا کہ لوگ میری تعریف کریں، بل کہ آپ کو خوش کرنے کے لیے یہ کام کیا آپ اس کام کو قبول فرمالیں اور بہترین بدلہ عطا فرمادیں۔ گویا اپنے کارنامے پر نگاہ اور لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے عمل کو قبول کرانے کی فکر کرنی چاہیے۔

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ہمیں بھی اپنے والد محترم کی ان کے کاموں میں مدد کرنی چاہیے اور اُن کی بات ماننی چاہیے۔

پیغامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

راشد علی نواب شاہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھے اخلاق برائیوں کو اِس طرح ختم کردیتے ہیں جس طرح پانی برف کو پگھلا دیتا ہے اور بُرے اخلاق اچھے کاموں کو اِس طرح ختم کردیتے ہیں جس طرح سرکہ، شہد کو خراب کردیتا ہے۔

(طبرانی کبیر، ۱۰۶۲۶، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

عزیز ساتھیو!

ہمارا تعارف ہمارے اخلاق ہیں۔ اچھے اخلاق انسان کو اچھا بناتے ہیں اور بُرے اخلاق انسان کو بُرا بناتے ہیں۔

کسی کو اذیت نہ دینا، کسی کا کام نہ بگاڑنا، کسی کو گالی نہ دینا، کسی کا حق نہ کھانا، ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، غریبوں کی مدد کرنا، سچ بولنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، اچھے انداز سے اور سلیقے سے بات کرنا، بازار میں چلتے پھرتے نہ کھانا، اپنی خوشی اس طرح منانا کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ سب باتیں اچھے اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کا مہینا ہمیں اپنے اخلاق اچھے کرنے کے لیے عطا فرمایا ہے کہ اس میں ہم خوب مشق کریں، عبادات کو اچھے طریقے سے ادا کریں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صبح سے افطاری تک کچھ نہیں کھاتے، حلال اور جائز چیزوں سے بھی رک جاتے ہیں تو اِسی طرح ناجائز اور حرام چیزوں سے ہر حال میں اور ہر وقت بچنا ضروری ہے۔

اچھے اخلاق والا انسان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے:

”قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسنِ اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی شے نہیں ہوگی۔“

(الجامع للترمذي، البر والصلة، ماجاء في حسن الخلق، الرقم: ۲۰۰۹)

آیئے، آج سے ہم اچھے اخلاق اپنانے کی کوشش اور فکر شروع کریں۔

جھلکیاں

06 بلاعنوان (۱۷) — شبانہ رشید
09 ذوق معلومات (۶۷) (کھیل) — ابوغازی محمد
10 انعام — انعم توصیف
12 رب کا انعام — محمد طارق نعمان گڑنگی
14 عید آئی (نظم) — نعیم الدین نعیم
15 نیت — صائمہ نور
17 ننھا مچھیرا بنا لکھاری — سعد علی چھیپا
20 سوال آدھا، جواب آدھا (کھیل) — الطاف حسین
21 مٹھائی کا ایک ٹکڑا — افشاں اقبال
24 فضول خرچی — عطیہ خان
26 انجو اور منجو — مترجم: عاطف حسین شاہ
29 صدقہ جاریہ — مفتی محمد معاویہ اسماعیل
33 امانت — عمارہ فہیم
34 بول — تنزیلہ احمد
37 یہ دن (نظم) — محمد شریف شیوہ
38 کچھ ہاتھ نہیں آئے گا (فاتح کون ۱۰) — نذیر انبالوی
42 ندامت بندگی ہے — محمد اکمل معروف
49 اِنک ریموور — حمیرا شہزادی
50 اتنا آسان — مریم شہزاد
52 تاریخ ساز فیصلہ — دانیال حسن چغتائی
53 میٹھے رشتے — مریم ملک

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی، تربیتی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شوال المکرم ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 17

شمارہ: 04

ناشر ~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر اعزازی ~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین
- معاون ~~~ زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر ~~~ سید ناصر

کمپوزر ~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 80

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1100/=

بذریعہ عام ڈاک 850/=

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق پی۔ او۔ بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00

دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash : 0320-1292426

(نوٹ: جازکیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

دوستو! ماہِ رمضان اپنے اختتام کو ہے، اللہ سے لینے اور منوانے کے چند ہی دن باقی رہ گئے ہیں۔ خوب برکتیں سمیٹ لیجیے! اپنی حاجتیں منوا لیجیے! رمضان کی آخری ساعتوں اور گھڑیوں کو رب کی رضا میں گزار دیجیے!

ہاں، اگر آپ کو صبح مدرسے یا اسکول جانا ہو تو رات کو آرام ضرور کیجیے گا، تا کہ صبح ہشاش بشاش ہو کر پڑھائی کر سکیں۔

اوہو! ایک بات تو رہ ہی گئی۔ لاکھوں کی بات ہے، ہم آپ کو مفت میں بتا رہے ہیں! کیا خیال ہے؟ یاد رکھیں گے نا ہماری بات! کیا کہا؟ دوسروں کو بھی بتائیں گے۔ ارے واہ!

تو آیئے! ہم کہہ رہے تھے کہ چاند رات میں آپ کو ہوش یار رہنا ہے، کیوں کہ اُس رات ہمارا دشمن آزاد ہو جائے گا اور اُس نے تو ٹھان رکھی ہے کہ ہمیں جنت میں نہیں جانے دے گا۔ آپ ڈرے تو نہیں نا! ہاں، گھبرایئے نہیں، بس عشا کی نماز اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیں اور رات کو تھوڑی سی ہمت کر کے کچھ نوافل پڑھ لیں، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لیں، گھر کے کاموں میں امی کی مدد کروا لیں اور مزے سے سو جائیں۔

جی ہاں بچو! جو اِن دنوں اور راتوں میں عبادت کرتا ہے حقیقت میں عید اُسی کے لیے ہی ہوتی ہے۔

ارے ارے ارے! آپ کہاں دوڑے جا رہے ہیں؟ ابھی تو عید میں کچھ دن باقی ہیں! ویسے اگر اِس بار آپ اپنی عیدی میں سے صرف سو روپے اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیں، یعنی کسی مسجد میں یا اپنے کسی ضرورت مند دوست کو خاموشی سے دے دیں تو کیا خیال ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ان میں اضافہ کر کے آپ کو واپس لوٹائیں گے۔

چلیں سوچیے گا۔ اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو اِن ساعتوں کو قیمتی بنانا ہے نا!

سیرت کہانی ٣٦

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

غزوۂ عشیرہ سے واپسی کو ابھی دس دن ہی گزرے تھے کہ کرز بن جابر فہری نامی شخص نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر چھپ کر حملہ کیا اور لوگوں کے اونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ گیا۔ آپ ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر اُس کا پیچھا کیا اور سَفوان نامی جگہ تک گئے، مگر آپ ﷺ کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی کرز بن جابر فہری وہاں سے نکل چکا تھا، اس لیے آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

کرز بن جابر فہری، قبیلہ قریش کے سرداروں میں سے تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ جب آپ ﷺ نے بیس سواروں کو قبیلہ عرینہ کے لوگوں کا پیچھا کرنے کا حکم دیا تھا تو انھی کو اُس لشکر کا امیر بنایا تھا، یہ فتح مکہ کے موقع پر شہید ہوئے تھے۔

(الاصابہ، ج:۳، ص:۲۹۰)

سفوان چوں کہ بدر کے قریب ایک جگہ ہے، اس لیے اس غزوے کو ”غزوۂ بدر اولیٰ“ بھی کہا جاتا ہے۔

غزوۂ سفوان کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو نخلہ نامی جگہ کی طرف روانہ فرمایا اور گیارہ مہاجرین کو آپ کے ساتھ بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریے میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ فرمایا کہ تم پر ایسے شخص کو اُمیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس برداشت کرنے والا ہوگا۔ اس کے بعد عبداللہ بن جحش کو ہمارا اُمیر بنایا۔ یہ اسلام میں پہلے امیر تھے۔

حضور ﷺ نے جب اس لشکر کو روانہ فرمایا تو ایک خط لکھ کر دیا اور اُمیر لشکر کو یہ حکم دیا:

”جب تک دو دِن کا راستہ طے نہ کرلو اُس وقت تک اس خط کو کھول کر نہ دیکھنا۔ دو دِن بعد اِس خط کو دیکھنا اور جو اِس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔“

چناں چہ دو دِن کا راستہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا والا نامہ کھول کر دیکھا تو اُس میں یہ تحریر تھا کہ تم برابر چلتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ نامی مقام تک پہنچ جاؤ۔ وہاں پہنچ کر قریش کا انتظار کرو اور اُن کی خبروں سے ہمیں مطلع کرو۔“

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو پڑھ کر کہا:

”میں نے آپ ﷺ کے حکم کو سُنا اور اُس کی اطاعت کی۔“ اور تمام ساتھیوں کو یہ بات بتلائی اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کرتا، جسے شہادت پسند ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ سب نے خوشی سے آپ کے ساتھ چلنا منظور کیا اور آپ کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہوگیا، اس لیے دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور باقی حضرات نے نخلہ پہنچ کر قیام کیا۔

(فتح الباری، ج:۱، ص:۱۴۳)

قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام سے مکہ واپس جا رہا تھا۔ اس دن رجب کی آخری تاریخ تھی اور رجب کے مہینے میں قتل و قتال حرام تھا۔ مسلمانوں نے رجب ختم ہوجانے کے شک میں ان پر حملہ کر دیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے اس تجارتی قافلے کے سردار عمرو بن حضرمی کو ایک تیر مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس کے مرتے ہی قافلے کے دوسرے لوگ پریشان ہو کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے قافلے کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس وقت تک لڑائی کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال کی تقسیم کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے محض اپنے اندازے سے اس مال کے چار حصے لشکر والوں کے لیے اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ لیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے تمھیں شہر حرام میں قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ خیر جب تک کوئی وحی نازل نہ ہو اُس وقت تک یہ مال غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو۔''

اس پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی بہت پریشان ہوئے۔

ادھر مشرکین اور یہود نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد اور اُن کے ساتھیوں نے شہر حرام میں قتل و قتال کو حلال کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۷ نازل فرمائی، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''یہ لوگ آپ سے ماہِ حرام میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ جواب میں کہہ دیجیے کہ بے شک ماہِ حرام میں جان بوجھ کر قتال کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کے راستے سے کسی کو روکنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ جرائم سب سے زیادہ سخت ہیں اور کفر و شرک کا فتنہ، قتل سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ کافر ہمیشہ تم سے قتال کرتے رہیں گے، تاکہ تمھیں تمھارے دین سے ہٹا دیں اگر اُن میں طاقت ہو۔''

اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ قبول فرما لیا اور باقی مال مجاہدین پر تقسیم کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی اس آیت کو سن کر خوش تو ہو گئے، لیکن پھر اُنھیں اجر و ثواب کا لالچ ہوا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! کیا ہم اس غزوے پر کچھ اجر کی بھی امید رکھ سکتے ہیں؟''

اس پر سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۸ نازل ہوئی، جس کا مفہوم ہے:

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ایسے لوگ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کر سکتے ہیں اور کیوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی جو حاصل ہوئی، عمرو بن حضرمی پہلا شخص تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے قیدی تھے۔

قریش مکہ نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تک میرے ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہ آ جائیں اس وقت تک میں تمھارے قیدیوں کو نہیں چھوڑوں گا، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم انھیں قتل نہ کر دو۔ اگر تم میرے ساتھیوں کو قتل کرو گے تو میں بھی تمھارے آدمیوں کو قتل کر دوں گا۔''

اس کے چند دِن بعد سعد اور عتبہ واپس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔ عثمان تو رِہا ہوتا ہی مکہ واپس ہو گیا اور مکے ہی میں جا کر کافر مرا۔ حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ ہی میں رہے، یہاں تک کہ غزوۂ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

(سیرت ہشام، ج:۲، ص:۷)

.....(جاری ہے).....

بلاعنوان ۱۷۷

شبانہ رشید۔ راول پنڈی

ابو کی ڈانٹ نے یاسر کو اندر تک ہلا دیا تھا اور اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے، اور پھر وہی ہوا، امی کو دیکھتے ہی وہ ضبط نہ کر سکا اور زور زور سے رونے لگا۔ یاسر کو روتا دیکھ کر وہ تڑپ کر آگے بڑھیں۔

''یاسر! کیا ہوا میرے بچے؟ کیوں رو رہے ہو؟'' انھوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ارے کیا ہوا؟ بابا نے کچھ کہا ہے؟'' وہ آزردہ ہوئیں اور اُن کا منہ بن گیا تھا۔ امی گھر میں موجود نہ تھیں جب یہ ہوا۔ وہ مسلسل امی کے سینے سے لگا رو رہا تھا۔

''اچھا، اب بس کرو۔'' امی نے اس کا چہرہ اوپر اُٹھایا۔

''بتاؤ گے نہیں کہ ابو نے کس بات پر ڈانٹا تھا؟''

''امی! میرے دوست مجھے کرکٹ کھیلنے کے لیے بلانے آئے تھے۔ ابو نے کہا: جاؤ کھیلو اور گھر واپس نہ آنا۔ پڑھائی پر توجہ نہیں اور سارا دِن کھیل! کھیل کر کیا ملے گا؟ پڑھائی کو وقت دو، یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ آج سے تمھارے کرکٹ کھیلنے پر پابندی ہے، تم کھیلنے نہیں جا سکتے۔ پڑھنا ہے تو ٹھیک طریقے سے پڑھو، ورنہ چھوڑ دو۔ اب بتائیں امی! کیا میں پڑھتا نہیں ہوں؟''

یاسر نے روتے ہوئے امی کو ساری روداد سنائی اور ساتھ ہی سوال بھی کر ڈالا۔

''پڑھتے ہو میرے بچے! اچھا پڑھتے ہو، مگر اِتنی معمولی سی بات پر کیوں رو رہے ہو؟''

امی نے یاسر کو حوصلہ دیا۔

''ٹھیک ہے، اگر وہ مجھے کرکٹ کھیلنے نہیں دیں گے تو پھر میں پڑھوں گا بھی نہیں۔'' یاسر کا رونا غصے میں بدل گیا۔

''اور آپ اسے ذرا سی بات کہہ رہی ہیں! پرسوں آپ نے دیکھا تھا، کمپیوٹر والی بات پر اُنھوں نے کتنا غصہ کیا تھا۔ والدین سخت ہوتے ہیں، سخت مزاج بھی ہوتے ہیں، مگر اِس طرح کوئی نہیں کرتا جیسے ابو کرتے ہیں۔''

امی خاموش ہو گئیں۔ یاسر اور اَبو کے درمیان اختلافات دن بدن بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ ابو کی مسلسل ڈانٹ نے اسے پڑھائی سے متنفر کر دیا تھا۔ جماعت نہم میں اس نے بہت اچھے نمبر حاصل کیے تھے، مگر جماعت دہم میں آتے ہی ان کی سختی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یاسر زیادہ محنت کر کے نمایاں کام یابی حاصل کر سکتا ہے، اسے کھیل وغیرہ چیزیں

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **31 مئی 2022** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

چھوڑ دینی چاہییں۔

یاسر کی موجودہ صورت حال اچھی نہ تھی، بہت پریشان کن تھی۔ امی، بابا کو سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ بچوں پر بے جا سختی بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ وہ ذہین ہے، پڑھتا ہے۔ ہاں، بہت زیادہ محنت نہیں کرتا، مگر اُسے کھیل سے روکنا اس کے ساتھ زیادتی ہے۔ محنت پر راغب کرنے کے لیے اسے پیار سے سمجھایا جاسکتا ہے، مگر ابو کا جواب ہوتا:

''بے جا نرمی بچوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ آپ اگر اُس کے ساتھ اس موقع پر ہمدردی کریں گی تو کل اس کا نتیجہ خراب ہوگا اور بعد میں آپ کو اِس پر پچھتاوا ہوگا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''بھلا ہر وقت پڑھائی تو نہیں ہوسکتی، ذہن اور جسم کو تر و تازہ رکھنے کے لیے کھیل بھی ضروری ہے۔''

مگر ابو اِس طرح کی بات سن کر مزید غصے میں آجاتے۔ امی کی پریشانی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ جب سے بابا نے اس کے کھیل پر پابندی لگائی تھی وہ پڑھائی میں بھی غیر دل چسپی دکھا رہا تھا۔

کرکٹ کا اسے جنون تھا۔ ماہانہ والد حضرات سے ملاقات میں سر رفیق نے بھی یاسر کے ابو سے شکایت کی: ''یاسر کو کیا ہوگیا ہے؟ ہر وقت کھویا کھویا رہتا ہے۔ اسباق میں بھی غیر حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ گھر میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟ دیکھیں، آپ اس سلسلے میں ایک دو دِن میں پرنسل صاحب سے ملاقات کرلیں، تاکہ یاسر کی پڑھائی کا ہرج نہ ہو۔'' سر رفیق کی بات سن کر راشد صاحب فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور صرف اتنا کہا کہ ''ٹھیک ہے'' اور گھر چلے آئے۔ تب سے انھوں نے یاسر پر مزید سختی شروع کردی تھی اور امی کو بھی یاسر کے معاملے میں کوئی بات چیت کرنے سے منع کردیا تھا۔

امی یاسر کے بارے میں کافی پریشان تھیں اور راشد صاحب کے مزاج اور غصے کی وجہ سے ان سے بات نہیں کرسکتی تھیں۔ امی اسی سوچ و بچار میں تھیں کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ یاسر اسکول میں تھا اور راشد صاحب دفتر جاچکے تھے۔ اس وقت بھلا کون ہوسکتا ہے!؟ امی نے یہ سوچتے ہوئے جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے اپنے بھائی کو دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

''ارے عادل! تم اچانک کیسے!؟''

''باجی! کیا اندر نہیں آنے دیں گی؟ یوں ہی باہر کھڑا رکھیں گی!''

''کیوں نہیں میرے پیارے بھیا! آؤ بھئی، آؤ۔ تم نہا دھو کر تازہ دم ہوجاؤ، میں جب تک اچھا سا ناشتا بناتی ہوں۔''

اپنے چھوٹے بھائی عادل کے یوں اچانک آجانے سے رفعت بیگم کو بہت خوشی ہوئی تھی اور یاسر کے معاملے میں بھی انھیں امید پیدا ہوگئی تھی کہ اب اس کا بھی کوئی حل نکل آئے گا۔

ناشتے کے دسترخوان پر اُنھوں نے عادل کو تفصیل سے ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ عادل نے کہا:

''باجی! اب فکر کی کوئی بات نہیں، میں بھائی جان سے اس بارے میں خود بات کروں گا۔''

''جی جناب! آپ اپنے بھائی جان کے چہیتے جو ٹھہرے! اچھا، تم اتنی عجلت میں بغیر بتائے کیسے آئے؟ یہ تو بتاؤ۔''

''ارے باجی! بس وہ کمپنی کے ضروری کام سے کل شام ہی مینیجر صاحب نے ٹکٹ تھماتے ہوئے بتایا تھا کہ تیاری کرلیں، کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ ہے۔ آپ کو کراچی جانا ہے، تین دن کا سفر ہے اور ہاں، ایک دن آپ وہاں اپنے کسی عزیز کے ہاں بھی گزار سکتے ہیں۔ میں نے سوچا، چلو، اس موقع سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے اور اپنی باجی کو اچانک پہنچ کر حیران کردیا جائے۔''

''اللہ تمھیں خوش رکھے! تم نے میری پریشانی یقین جانو، جیسے ختم ہی کردی ہو۔''

''ٹھیک ہے باجی! آپ زیادہ فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ! بھائی جان سے بات کرکے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔''

عصر کے بعد یاسر کی عادل ماموں سے ملاقات ہوئی اور وہ بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ عادل ماموں نے یاسر کو تسلی دی اور کہا:

''اللہ تعالیٰ سب اچھا کریں گے، آپ صرف اپنے والد صاحب کی بات پر عمل کرنے کی کوشش کیا کریں۔''

شام کو واپسی پر راشد صاحب، عادل کو اچانک دیکھ کر بہت خوش ہوئے، کیوں کہ وہ اس کی مستقل مزاج طبیعت اور خوب دل لگا کر کام کرنے کی عادت کی وجہ سے اسے بہت پسند کرتے تھے اور جب بھی اپنے سسرال جانا ہوتا تو اُن کا زیادہ وقت عادل کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد عادل نے جب راشد صاحب سے یاسر کے متعلق بات شروع کی تو وہ بولے:

''اچھا ہوا بھئی، آپ نے یاسر کا ذکر کردیا۔ کل مجھے دو دِن کے لیے دفتر کے ضروری کام سے شہر سے باہر جانا ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ یاسر کے پرنسل صاحب سے ملنے چلے جایئے گا، تاکہ موصوف کی پڑھائی کا مسئلہ حل ہوسکے۔ میں صبح پرنسل صاحب کو اِطلاع کروں گا کہ میری جگہ آپ ملنے آئیں گے اور دیگر ضروری تفصیل بھی انھیں بتادوں گا۔''

عادل نے کہا: ''جی ضرور بھائی جان!''

اگلے دن پرنسپل صاحب دیر تک عادل ماموں سے باتیں کرتے رہے، پھر اُنھوں نے یاسر کو بلوالیا۔

.....☆.....

ابو سفر سے واپس پر گھر میں داخل ہوئے اور حسبِ عادت غصے میں ''یاسر! یاسر! کہاں ہو؟'' آواز لگائی۔ وہ دروازے ہی سے آواز لگا رہے تھے۔

''جی ابو!'' وہ فوراً کمرے سے نکل آیا۔

''ایسا کرو، باہر گاڑی میں کچھ سامان ہے، وہ لے آؤ۔''

''جی ابو!'' کہتے ہوئے اس نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ اس کی پھرتی پر وہ قدرے حیران ہوئے۔ وہ تو ابو کے کئی مرتبہ آواز دینے پر بھی بہت مشکل سے ''جی۔'' کرتا تھا۔ وہ سامان اٹھا کر لایا تو بابا نے اسے غور سے دیکھا اور پھر کچھ دنوں میں اس کے ابو کے ساتھ معمولات تبدیل ہوتے چلے گئے۔ یاسر پہلے انھیں دیکھ کر اِدھر اُدھر ہو جاتا تھا، مگر اَب ان کے سارے کام بھاگ بھاگ کر کرنے لگا۔ ان کے ایک آواز دینے پر فوراً حاضر ہو جاتا۔ جوں ہی وہ کام سے واپس آتے آگے بڑھ کر اُن کے ہاتھ میں موجود چیزیں پکڑ لیتا، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا، چائے پیتا، اسکول سے متعلق باتیں کرتا۔ ٹیسٹ میں اس کے نمبر دیکھ کر ابو خوش ہو جاتے۔

''یہی تو میں چاہتا ہوں میرے بیٹے! کلاس میں فرسٹ اور اِسکول میں ٹاپ کرو۔''

یاسر اور امی، دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے۔ ایک دن بابا واپس آئے تو یاسر کو آواز دی۔

''جی ابو!'' وہ فوراً اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''کرکٹ کھیلنے گئے تھے؟'' انھوں نے پوچھا۔

''نہیں ابو! جب سے آپ نے منع کیا ہے میں نہیں گیا۔''

''اوہو، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمھاری پڑھائی کا ہرج نہ ہو۔ تم ایسا کرو کہ ہفتے میں دو دِن کرکٹ کھیلنے چلے جایا کرو۔'' ان کی بات سن کر اُس نے امی کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

''ابو! بہت شکریہ!'' وہ ابو کے گلے جا لگا۔

وہ اسے خوش دیکھ کر مسکرانے لگے۔

''اور ابو! آپ دیکھیں گے، میں آپ کو نتیجے میں مایوس نہیں کروں گا۔''

بابا اس کی بات سن کر مطمئن ہو گئے۔ اس نے فضا میں مکا لہرایا اور مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

اور پھر سب بدلتا ہی چلا گیا۔ خلافِ معمول دونوں باپ بیٹے کی دوستی دن بدن گہری ہوتی چلی گئی۔ امی دونوں کو خوش اور مطمئن دیکھ کر پُرسکون ہو گئیں۔

.....☆.....

''بیٹا! ہمیں بعض اوقات اپنے ماں باپ کی باتیں بہت تلخ لگتی ہیں، لیکن وہ ہماری بہتری کے لیے ہوتی ہیں اور کم عمری کے باعث ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم وہ کریں جو ہمارا جی چاہے تو پھر پہلے ہمیں وہ کرنا پڑے گا جو ہمارے والدین چاہتے ہیں۔ والدین کی سختی ہمیں ان سے متنفر کر دیتی ہے، لیکن ہمیں ایک بات سمجھ لینی چاہیے، اس دنیا میں والدین سے زیادہ بہترین خیر خواہ اور دوست کوئی اور نہیں ہوتا۔ ان کے کہنے کا انداز بعض اوقات غلط ہو سکتا ہے، لیکن ان کی بات یا رویے کا بُرا مانے بغیر اُن کی خوش نودی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اور تم جانتے ہو، اگر میں آج کرنل ہوں تو اپنے اس بوڑھے دیہاتی والد کی وجہ سے ہوں جس نے ایک مرتبہ مجھے اسکول سے بھاگنے پر بہت ڈانٹا تھا اور خود بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا اور روتے ہوئے کہا تھا:

'دیکھ پتر! ہماری نہ زمین ہے نہ جائیداد! کچھ پڑھ لکھ جا اور اپنے اس خاندان کو غربت اور جہالت کے اندھیرے سے نکال کر علم اور ترقی کی روشنی میں لے آ۔ نہ ہمارا کوئی عزیز، رشتے دار ملک سے باہر ہے کہ اَن پڑھ رہ گیا تو میں تجھے ملک سے باہر بھجوا دوں گا اور نہ کوئی سفارش ہے کہ کہیں کوئی نوکری دلوا دوں گا۔'

غریب باپ کی ڈانٹ سے نہیں، بل کہ اس کے آنسو دیکھ کر میں نے اپنا مقصد بنا لیا کہ پڑھوں گا، محنت کروں گا، خاندان اور علاقے کو غربت کے اندھیرے سے نکالوں گا۔

'پاگل دے پتر! اگر پڑھے گا نہیں تو فوج میں افسر کیسے بنے گا!؟' ان کا یہ جملہ ہمیشہ میرے کانوں میں گونجتا رہا۔ میں نے پڑھا، فوج میں کمیشن لیا اور بطور کرنل ریٹائرڈ ہوا۔ میرے چاروں بچے ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ میں اپنے خاندان کے حالات کو بدلنے میں کام یاب ہو گیا ہوں۔ بس ہمیں یہ بات بہت دیر بعد سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے والدین کی سختی اور پابندیاں ہماری بہتری کے لیے ہوتی ہیں۔

ہمیں صرف یہ بات پلّے باندھ لینی چاہیے کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں وہ ہماری بہتری کے لیے ہے اور وہ ہمارے بہترین خیر خواہ ہیں۔''

پرنسپل صاحب کی کہی گئی باتیں یاسر کو بہت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھیں اور پھر اُس نے ان پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ سب عادل ماموں کے بھی بہت احسان مند تھے کہ انھوں نے بہت اہم موقع پر سب کا ساتھ دیا۔

آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ بھی اپنے والدین کی بہت ساری باتوں کو نظر انداز کر کے گھاٹے کا سودا تو نہیں کر رہے؟ اگر ایسا ہے تو دیر نہ کریں، ان سے اپنے پیار اور محبت کا اظہار کریں اور اُنھیں اپنے ہونے کا یقین دلائیں۔

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱ مئی تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

1. یہ چیز پاکستان سمیت دنیا کے کئی ممالک میں پیدا ہوتی ہے۔
2. یہ سالن وغیرہ میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ سردی کے موسم میں اس کا استعمال زیادہ کیا جاتا ہے۔ یہ سبزیوں میں موجود بادی اثرات کو زائل کرتی ہے۔
3. اسے اچار اور چٹنی وغیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس چیز کا مزاج گرم اور خشک ہے۔ یہ معدے کی کم زوری کو دُور کرتی ہے۔ بلغم کی زیادتی میں اس کا استعمال مفید ہے۔
4. اس کے علاوہ فالج، لقوہ، کھانسی، دمہ، نزلہ زکام وغیرہ میں اس کا استعمال فائدہ دیتا ہے، لیکن اس کو زیادہ اور بلا ناغہ نہیں کھانا چاہیے، کیوں کہ اس صورت میں معدہ خراب ہو جاتا ہے اور سینے میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔
5. طبیب حضرات اسے بطورِ دوا استعمال کرنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔

ابو غازی محمد۔ کراچی

انعام

انعم توصیف۔ کراچی

''عیدی ی ی.....! یہ کیا ہوتی ہے بھائی!؟'' چار سالہ سودہ نے سات سالہ عمر سے سوال کیا۔

''عیدی، پیسے ہوتے ہیں، جو عید کے دن ہمارے بڑے ہمیں دیتے ہیں۔ کل ہمیں ڈھیر سارے پیسے ملیں گے۔''

''پھر ہم ان پیسوں کا کیا کریں گے؟'' سودہ نے پھر پوچھا۔

''ہم ان پیسوں سے..... میں تو امی کو دے دیتا ہوں۔ امی ہی کوئی چیز لا کر دے دیتی ہیں۔'' عمر نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ اسے یاد تھا کہ پچھلی عید پر بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

''میں بھی امی کو دے دوں گی اپنی عیدی۔''

سودہ خیالوں کی دنیا میں کھو کر کل ملنے والی عیدی کے بارے میں سوچنے لگی۔

.....☆.....

عید کے دن شام کے وقت تایا ابو، پھوپھی اور اُن کے گھر والے سودہ کے گھر عید کی دعوت پر آئے ہوئے تھے۔ کھانا کھا کر سب بڑے گپ شپ میں مصروف تھے۔ تب ہی بچوں نے عیدی کا شور مچا دیا۔

''مجھے تو کڑکتے ہوئے نوٹ چاہییں۔'' عمر نے پھوپھی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہیں حارث، سارہ، زویا، فیضان بھی عیدی عیدی چلانے لگے۔

''ماشاءاللہ! ہماری گڑیا تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔ کتنی خاموشی سے بیٹھی ہے، عیدی بھی نہیں مانگ رہی۔'' تایا ابو، سودہ کو دیکھ کر پیار سے بولے۔

''اب تو سب سے پہلے سودہ کو عیدی ملنی چاہیے۔'' پھوپھی پیار سے بولیں۔

تایا ابو نے اس کے سامنے پیسے کیے تو وہ جھجکنے لگی۔ امی ابو سے پوچھے بغیر وہ کسی سے کچھ نہیں لیتی تھی۔ عیدی لینا بھی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔

''سودہ! لے لو بیٹا۔'' ابو نے کہا تو سودہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

تایا ابو نے سودہ کو کڑکتے ہوئے پچاس کے چار نوٹ نکال کر دیے۔ سب بچے عیدی لے کر اُسے گننے میں مصروف تھے۔

''پھوپھی نے بھی چار نوٹ دیے، تایا ابو نے بھی اور ابو نے بھی۔'' عمر سب بچوں کے بیچ میں بیٹھا بول رہا تھا۔

''ایک، دو، تین، چار، پانچ.....''

''ایک، دو، تین، چار، پانچ.....''

سودہ نے سب کی عیدی الگ الگ رکھی تھی۔ اس نے تایا ابو کی دی ہوئی عیدی کو گنا تو اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ چار کے بجائے اس کے پاس پانچ نوٹ کیسے آ گئے۔ اس نے ایک بار نہیں، دو تین مرتبہ اسے گنا، پھر وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر بڑوں کے پاس چلی آئی۔ ایک نوٹ دوسرے نوٹ کے ساتھ اس طرح جڑا ہوا تھا کہ تایا ابو نے چار کے بجائے بے دھیانی میں اسے پانچ نوٹ دے دیے تھے۔

''تایا ابو.....'' اس نے آہستہ آواز سے کہا۔

''جی۔'' تایا ابو نے پیار سے اسے دیکھا۔ ان کے جی کہنے پر بھی وہ خاموش رہی تو امی نے آگے بڑھ کر پیار سے پوچھا:

''کیا ہوا سودہ؟ کیا بات ہے؟''

''امی! تایا ابو نے مجھے عیدی.....''

''کم لگ رہی ہے آپ کو عیدی؟ اور چاہیے؟'' تایا ابو نے پوچھا۔

''نہیں نہیں، آپ نے سب کو چار نوٹ دیے ہیں۔ مجھے آپ نے غلطی سے پانچ نوٹ دے دیے۔'' سودہ نے معصومیت سے کہا تو سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''تو آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کو میں نے زیادہ نوٹ دیے ہیں۔'' تایا ابو کی دل چسپی بڑھ گئی تھی۔

''نہیں، جتنے نوٹ سب کو ملے ہیں مجھے بھی بس اتنے ہی چاہییں۔'' سودہ اپنی بات پر بضد تھی۔

سب بچے بھی وہاں آ چکے تھے۔

''سودہ کتنی بے وقوف ہے! خاموشی سے رکھ لیتی نوٹ۔'' عمر کے برابر کھڑے فیضان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔''

''اب تایا ابو اُس سے یہ نوٹ واپس لے لیں گے۔'' سارہ بھی آہستہ آواز میں بولی۔

''میں تو کبھی واپس نہ کرتا۔'' حارث بولا۔

''پچاس روپے میں کتنی ساری ٹافیاں آ جاتیں!'' زویا نے بھی حسرت سے کہا۔

''مجھے ہی دے دیتے تایا ابو یہ نوٹ!'' عمر نے بھی نوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سب انتظار میں تھے کہ اب تایا ابو کیا کریں گے۔

تایا ابو نے سودہ کے ہاتھ سے وہ نوٹ لیا اور پھر ایک دم وہ نوٹ واپس اس کی طرف بڑھایا۔

''شاباش! میری گڑیا! تم نے چھوٹی سی عمر میں ایمان داری کی بات کی ہے۔ یہ نوٹ میری طرف سے تمھارے لیے انعام ہے۔''

تایا ابو نے خوشی سے کہا۔ سب بچے اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئے تھے۔ ننھی سودہ سب سے چھوٹی ہو کر بھی سب سے بڑی نظر آ رہی تھی۔

''بچو! ہم ایمان داری سے کام کریں گے تو یوں ہی سودہ کی طرح انعام پائیں گے۔'' پھوپھی نے بھی پیار سے سودہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری پیاری بیٹی!'' ابو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

سودہ بھاگ کر امی کے پاس گئی اور اپنی ساری عیدی اور اِنعام ان کے حوالے کر دیا۔

امی نے پیار سے اسے گود میں اٹھا لیا۔

سب بچوں نے اس دن سودہ کی معصومیت سے ایمان داری کا سبق سیکھا۔ پیارے بچو! آپ بھی یہ سبق سیکھ لیجیے۔ ان شاء اللہ! آپ کو اِس سے ضرور فائدہ ہوگا۔

برائے ''شکر پارے''

شکر پارے کے لیے بھیجا جانے والا لطیفہ ایسا ہو کہ:

☆ اس میں اہل علم، علما کرام اور دین کے شعبے سے تعلق رکھنے والے احباب کا مذاق یا بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں کسی فرد یا قوم کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں کسی پیشے کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں استاد کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں والد کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں والدہ کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

رب کا انعام

محمد طارق نعمان گڑنگی۔ مانسہرہ

مسلمان، رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، اسے منانے میں فرائض و واجبات کی ادائیگی کرتے ہیں۔ جب رب راضی ہوتا ہے تو خوشی کے اظہار کے لیے اپنے بندوں کو ایک دن بھی عنایت کرتا ہے اور وہ دن عید کا دن ہوتا ہے، جسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔ عید الفطر، عالم اسلام کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو کہ ماہ رمضان المبارک کے اختتام کی نشان دہی کرتا ہے اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے یکم شوال کو منایا جاتا ہے۔

عید، عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خوشی، جشن، فرحت اور چہل پہل کے ہیں اور فطر کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں، یعنی روزہ توڑنا یا ختم کرنا۔ عید الفطر کے دن روزوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ بندوں کو روزے اور رمضان کی دوسری عبادتوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں، لہٰذا اِس تہوار کو عید الفطر قرار دیا گیا ہے۔ عید الفطر وہ انعام ہے جو اُمت مسلمہ کو رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کے بعد عطا ہوا۔

ہجرت مدینہ سے پہلے یثرب کے لوگ دو عیدیں مناتے تھے، جن میں وہ لہو و لعب میں مشغول ہوتے اور بے راہ روی کے مرتکب ہوتے۔ خالص اسلامی فکر اور دینی مزاج کے مطابق اسلامی تمدن، معاشرت اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا، چناں چہ رسول کریم ﷺ کی مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں عیدین کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس کا تذکرہ سنن ابی داؤد کی حدیث میں ملتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ دو دِن بطور تہوار منایا کرتے تھے، جن میں وہ کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

’’یہ دو دِن جو تم مناتے ہو، ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی ان تہواروں کی اصلیت اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟)‘‘ انھوں نے عرض کیا:

’’ہم عہد جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اِسی طرح منایا کرتے تھے۔‘‘

یہ سن کر رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے تمھارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں تمھارے لیے ان سے بہتر دو دِن مقرر فرما دیے ہیں، یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔‘‘

عالم اسلام ہر سال دو عیدیں مناتا ہے، عید الفطر اور عید الضحیٰ۔ عید الفطر کے تہوار کو چھوٹی عید کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

عمومی طور پر عید کی رسموں میں مسلمانوں کا آپس میں عید مبارک کہنا، گرم جوشی سے ایک دوسرے سے نہ صرف ملنا، بل کہ آپس میں مرد حضرات کا مردوں سے بغل گیر ہونا، رشتے داروں اور دوستوں کی آؤ بھگت کرنا شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بڑے، بوڑھے، بچے اور جوان نت نئے کپڑے زیب تن کرتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں، مختلف اقسام کے پکوان تیار کیے جاتے ہیں اور جگہ جگہ میلے ٹھیلے منعقد ہوتے

ہیں، جن میں سے اکثر میں مقامی زبان اور علاقائی ثقافت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ خصوصی طور پر مسلمان صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے بیدار ہوتے ہیں اور نمازِ فجر اَدا کرتے ہیں، پھر دن چڑھے ایک مختصر سا ناشتا یا پھر کھجوریں کھانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں، جو کہ ایک طرح سے اس دن روزے کے نہ ہونے کی علامت ہے۔ نئے اور عمدہ لباس پہن کر مسلمان اجتماعی طور پر عید کی نماز اَدا کرنے کے لیے مساجد، عیدگاہوں اور کھلے میدانوں میں جاتے ہیں۔ شاعر نے اس عیدالفطر کے منظر کو کچھ یوں بیان کیا ہے ؎

سفیرِ امن و سکوں بن کے آئے عیدالفطر
دلوں سے سب کے کدورت مٹائے عیدالفطر
نقوشِ بغض و حسد کو مٹائے عیدالفطر
دلوں میں شمعِ محبت جلائے عیدالفطر
جو غم زدہ ہیں انھیں آکے شاد کام کرے
جو رو رہیں ہیں انھیں بھی ہنسائے عیدالفطر
بڑھائے حوصلہ پژمُردہ دل ہیں جو، اُن کا
جو گر رہے ہیں انھیں بھی اٹھائے عیدالفطر
یہ استوار کرے رشتۂ محبت کو
ہے جو بھی عہدِ وفا وہ نبھائے عیدالفطر

یاد رکھیے، نمازِ عید کے لیے آتے اور جاتے ہوئے آہستہ تکبیریں کہنا اور آنے جانے میں الگ الگ راستہ اختیار کرنا سنت ہے۔ عید کے روز غسل کرنا، خوش بو اِستعمال کرنا اور اچھا لباس پہننا بھی سنت ہے۔

عیدالفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ عید کی نماز سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد پڑھی جاتی ہے۔ ہر نماز کے ادا کرنے سے پہلے اذان اور اِقامت ہوتی ہے، مگر عید کی نماز میں اذان اور اِقامت نہیں ہے، جب کہ اس نماز کی صرف دو رکعات ہوتی ہیں پہلی رکعت میں ثنا کے بعد اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر تین تین زائد تکبیریں مسنون ہیں۔

عیدالفطر کی نماز کے موقع پر خطبۂ عید کے علاوہ بنی نوع انسانیت کی بھلائی اور عالم اسلام کے لیے خصوصی دعائیں کی جاتی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد اور رحمت مانگی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں خطبہ عید میں عیدالفطر سے متعلق مذہبی ذمے داریوں کی تلقین کی جاتی ہے، جیسے فطرانہ کی ادائیگی وغیرہ۔ دعا کے اختتام پر ہر شخص اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے افراد کو عید مبارک کہتا ہوا بغل گیر ہو جاتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد لوگ اپنے رشتے داروں، دوستوں اور جان پہچان کے تمام لوگوں کے پاس جاتے ہیں، جب کہ کچھ لوگ قبرستان کی طرف بھی جاتے ہیں۔

شوال، یعنی عید کا چاند نظر آتے ہی رمضان المبارک کا مہینا اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور ہر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار اللہ تعالیٰ کی عظمت کی اور شان کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں، یعنی آہستہ آواز سے تکبیریں کہی جاتی ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ تکبیر کہنے کا یہ سلسلہ نمازِ عید اَدا کرنے تک چلتا ہے۔ عید کی نماز ادا کرنے سے پہلے ہر صاحب استطاعت مسلمان مرد و عورت صدقہ فطر اَدا کرتے ہیں۔

صدقہ فطر کے احکام:

جو مسلمان اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو یا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن ضروری اسباب سے زائد اِتنی قیمت کا مال و اسباب ہے جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اُس پر عیدالفطر کے دن صدقہ دینا واجب ہے، چاہے وہ تجارت کا مال ہو یا نہ ہو، چاہے اس پر سال گزر چکا ہو یا نہ گزرا ہو۔ اس صدقے کو شریعت میں صدقہ فطر کہتے ہیں۔ (درمختار)

صدقہ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، چھوٹے، بڑے سب پر واجب ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار:

صدقہ فطر میں اگر گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ستو دیا جائے تو نصف صاع، یعنی پونے دو سیر، بل کہ احتیاطاً دو سیر دے دینا چاہیے اور اگر غلے کے بجائے اس کی قیمت دی جائے تو سب سے افضل ہے۔ (درمختار)

عزیز قارئین! ہمیں چاہیے کہ اس خوشی کے موقع پر اپنے ان بھائیوں کو بھی یاد رکھیں جنھیں گلے ملنے والا کوئی نہیں، جنھیں نیا لباس میسر نہیں، جن کا چولہا اس مبارک دن بھی نہیں جلتا۔ اصل عید تو اُس کی ہوتی ہے جو عید کے اس مبارک دن بے سہارا لوگوں کو سہارا دیتا ہے۔ اسلام میں صدقہ فطر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جو اِس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے آج کے دن وہ بھی صدقہ فطر کے ذریعے اس خوشی میں شامل ہو جائیں۔

آیئے یہ عہد کریں کہ ہم ان لوگوں کو بھی گلے لگائیں گے جو گلے لگانے کے اصل مستحق ہیں۔ اللہ پاک ہمیں بھی حق داروں کی قدر اور ان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

عید آئی

نعیم الدین نعیم۔ کراچی

پیاری پیاری عید آئی
میٹھی میٹھی عید آئی

صبح سہانی آئی ہے ، اللہ کی رحمت چھائی ہے
عید کا تحفہ لائی ہے ہر دل نے راحت پائی ہے
ڈھیروں خوشیاں لائی ہے ، سب کے مَن کو بھائی ہے
پیاری پیاری عید آئی ، میٹھی میٹھی عید آئی

نانی کے گھر جائیں گے دادی کے گھر جائیں گے
دودھ سویاں کھائیں گے ، سب سے عیدی پائیں گے
گیت خوشی کے گائیں گے ، مل کے عید منائیں گے
پیاری پیاری عید آئی ، میٹھی میٹھی عید آئی

عید کے پیارے پیارے رنگ پیارے ''ذوق وشوق'' کے سنگ
نئی امنگ اور نئی ترنگ ، ''ذوق و شوق'' کے اپنے ڈھنگ
دیکھ کے ہوگئے سارے دنگ ، بکھرے ہر سو عید کے رنگ
پیاری پیاری عید آئی ، میٹھی میٹھی عید آئی

بچے عید منائیں گے ، عید کے نغمے گائیں گے
ڈھیروں چیزیں کھائیں گے مل کے سیر کو جائیں گے
مل کے مزے اڑائیں گے ، عید کا لطف اٹھائیں گے
پیاری پیاری عید آئی ، میٹھی میٹھی عید آئی

ننھی

صائمہ نور۔ کراچی

عبدالرافع بہت پیارا اور حساس بچہ ہے۔ وہ اپنے بڑوں کی ہر بات مانتا ہے۔ کلاس میں بھی ہمیشہ اول آتا ہے۔

رافع بہت ہی نرم اور میٹھے لہجے میں بات کرتا ہے، اسی لیے جماعت میں سب ہی اس کے اچھے دوست ہیں۔

ایک دن کا قصہ ہے کہ رافع اسکول کی آدھی چھٹی میں کھیل رہا تھا کہ اس کی نظر اپنے اسکول میں ایک طرف بنے خوب صورت باغیچے پر پڑی جہاں کچھ ننھے خرگوش موجود تھے۔

وہ ایک دم بہت خوش ہوگیا، کیوں کہ خرگوش اسے بے حد پسند ہیں۔

وہ اپنا کھیل ادھورا چھوڑ کر خرگوش کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس آ گیا۔

اس کا دوست حارث بھی اس کے ساتھ تھا۔

بچے بہت ہی چھوٹے اور نرم و نازک سے تھے۔

رافع اپنی آدھی چھٹی کا پورا وقت ان کے ساتھ کھیلتا رہا۔

پھر تو رافع نے روزانہ اپنی پندرہ منٹ کی آدھی چھٹی میں عادت ہی بنالی۔

وہ چھوٹے، پیارے، ننھے روئی کے گالوں جیسے نرم و ملائم خرگوش دوستوں کو ضرور وقت دیتا، وہ بھی رافع سے کافی مانوس ہوگئے تھے۔

یوں وہ تو تمام ہی بہت خوب صورت تھے، لیکن ان میں سے ایک جس کی آنکھیں لال بتی جیسی چمک دار اور شربتی رنگ کی تھیں رافع کا پسندیدہ خرگوش تھا۔

وہ بھی رافع کو دیکھ کر فوراً ہمک کر آتا اور رافع کے گرد گول گول گھوم کر اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتا۔

ایک دن رافع حسبِ معمول آدھی چھٹی میں اپنے ننھے دوستوں سے ملنے آیا تو آج اسے اپنا پیارا لال شربتی آنکھوں والا دوست کچھ سُست محسوس ہوا۔

رافع نے اسے پیار سے پچکارا تو وہ تب بھی سست روی سے بیٹھا رہا۔

رافع کچھ پریشان تو ہوا، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کیا کرے۔

اس کے بعد جب آدھی چھٹی ختم ہوئی تو رافع کمرۂ جماعت میں واپس آ گیا اور چھٹی کے بعد گاڑی کے جلدی آنے کے سبب، سوچنے کے باوجود وہ اس سے دوبارہ نہ مل سکا۔

دوپہر کو گھر پہنچنے کے بعد رافع مدرسے اور ٹیوشن سے فارغ ہوکر جب شام کو برآمدے میں کھیل رہا تھا تب اسے اچانک اپنا ننھا اور پیارا دوست یاد آیا اور وہ یک دم بے حد اداس ہوگیا۔

رافع سوچنے لگا کہ اس نے اپنے دوست کی سُست روی پر توجہ نہیں دی، شاید وہ بیمار ہے اور اُسے علاج کی ضرورت ہے۔

لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔

وہ ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گیا۔

رافع کو اُداس دیکھ کر اُس کی دادی جان پریشان ہوگئیں اور اُس کے پاس آئیں۔

''کیا ہوا رافع! تم اتنے اداس کیوں بیٹھے ہو؟ کھیلتے وقت تو تم ہمیشہ بہت زیادہ پُرجوش اور چاق و چوبند ہوتے ہو۔''

''جی دادی جان! میں کچھ پریشان ہوں۔'' رافع نے منہ بسور کر کہا۔

''اچھا، خیریت بھئی، میرے ننھے بیٹے کو کس پریشانی نے آگھیرا؟''

''دادی جان کو تشویش ہوئی۔

''وہ دادی جان! بات یہ ہے کہ اسکول میں کچھ ننھے خرگوش میرے دوست ہیں۔ میں روزانہ ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔''

یہ بتاتے ہوئے رافع کی آنکھوں کی چمک دادی جان سے مخفی نہ رہ سکی، جس سے دادی جان کو اَندازہ ہوا کہ رافع ان خرگوش کے بچوں سے کتنی زیادہ انسیت رکھتا ہے۔

''تو بیٹا! یہ تو خوشی کی بات ہے، اس میں اداس ہونے والی کیا بات ہے؟''

دادی ابھی بھی اصل بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔

''جی دادی جان! وہ تو ہے، لیکن آج میرا سب سے پیارا دوست ننھا خرگوش کچھ بیمار تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ مالی بابا سے پوچھ کر اُسے آج گھر لاؤں گا، تاکہ کچھ علاج وغیرہ کر سکوں، لیکن آج جماعت میں کام بہت زیادہ تھا تو مجھے وقت نہیں مل سکا اس سے ملنے کا۔

اور چھٹی میں اتنا رش تھا اور گاڑی بھی آ گئی تھی تو مجھے موقع نہیں ملا اپنے دوست سے ملنے کا، اب معلوم نہیں وہ کتنی تکلیف میں ہوگا؟ یہی سوچ کر میں اداس ہوں۔''

رافع نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''ارے، میرا بیٹا! میرا چاند!

اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے سب سے پہلے تو سنو کہ تمھاری نیت بالکل صحیح اور بہت اچھی تھی۔ تم نے کرنے کا سوچا تھا، لیکن عمل نہیں کر سکے۔

اور اچھی نیت کا ثواب بھی تو ملتا ہے! کیوں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

اس لیے جس کی نیت صاف اور اچھی ہوتی ہے اس کا عمل بھی اچھا ہی ہوتا ہے، لہٰذا تم فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور کل سب سے پہلے جا کر اپنے دوست کی خیریت پوچھنا، بل کہ کل میں خود اِسکول آ کر تمھارے دوست کو دیکھوں گی اور اگر ضرورت ہوئی تو اُسے ڈاکٹر کے پاس بھی لے جاؤں گی۔''

''سچ دادی جان!؟'' رافع کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں میرے بچے! سچ۔''

دادی جان نے مسکرا کر رافع کو گلے لگایا۔

دادی کی بات سن کر رافع کو اِطمینان ہو گیا تھا اور وہ کل کے بارے میں سوچ کر ابھی سے خوش نظر آنے لگا تھا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

★ رجسٹر سائز کے بڑے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔ ★ سطر چھوڑ کر لکھیے۔ ★ صفحے کی پیشانی پر اپنا نام، رابطہ نمبر اور مکمل ڈاک پتا لکھیے۔ ★ کئی عنوانات کے تحت لکھا گیا مواد یکجا نہ کیجیے، بل کہ ہر ہر چیز کو علیٰ حدہ صفحے سے شروع کیجیے۔ ★ کوئی نظم لکھی ہے تو بھیجنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو کسی پختہ شاعر کو دکھا دیجیے۔ ★ کوئی اسلامی یا تاریخی واقعہ بھیج رہے ہوں تو آخر میں مکمل حوالہ ضرور لکھیے۔ ★ کوشش کر کے از خود کہانی لکھیے، کہیں بھی شائع شدہ کہانی نقل کر کے نہ بھیجیے اور خیال رکھیے کہ آپ کی کہانی دل چسپ ہو۔ ★ انعامی یا مستقل سلسلوں کے لیے بھیجی جانے والی چیز کا عنوان لفافے پر بھی ضرور لکھیے۔ ★ کسی تہوار یا دن کی مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنا چاہیں تو دو ماہ قبل بھیجیے۔ ★ اپنی تحریر ارسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور ہمیں اصل کاپی ارسال کیجیے۔ ★ تحریر میں بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔ ★ نامحرم کا میل میلاپ یا گفتگو نہ ہو۔ ★ تحریر فلم، گانے وغیرہ سے پاک ہو۔ ★ غیر شرعی تقریبات کا ذکر نہ ہو۔

ذوقِ معلومات (۷۴) کا درست جواب

☆ کھجور

ننھا مچھیارا بنا لکھاری

سعد علی چھپا۔ کراچی

''بچو! آج آپ کو میں ایک خوش خبری سنانے والا ہوں۔''

دروازے کی گھنٹی بجنے پر احمد نے دروازہ کھولا اور ابو کے سلام کا جواب دیا تھا۔ سلام کے بعد ابو نے حیرت زدہ کرنے کے انداز میں یہ جملہ کہا تھا۔

''ہائیں.....!'' احمد اور عادل نے یک زبان ہو کر کہا۔

''مگر کیسی خوش خبری!؟'' امی باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے بولیں۔

''کہیں آپ شاپنگ کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں۔ ارے، بادام کھائیں بادام! یادداشت کمزور ہو رہی ہے آپ کی۔'' ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابو! بتائیں نا! ہمارے لیے کیا خوش خبری ہے۔'' احمد نے اصرار کیا۔

اتنے میں امی، ابو کے لیے پانی لے کر آ گئیں۔

''بچو! کل ہم بندرگاہ گھومنے جائیں گے۔'' سلیم صاحب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''یاہو! زبردست!'' دونوں نے مل کر نعرہ لگایا۔

''تو بچو! کل کی تیاری آج سے شروع کر لو۔ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔'' ابو نے لگے ہاتھوں کام کی بات بتائی۔

احمد اور عادل، دونوں بھائی تھے۔ احمد بڑا اور عادل چھوٹا تھا۔ دونوں بھائیوں میں بہت پیار تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کرتے تھے۔

سلیم صاحب رنگ بنانے والی ایک کمپنی میں مینیجر کے عہدے پر فائز تھے۔ سیٹھ عبداللہ ان سے بہت خوش تھے۔ کمپنی کا اکثر کام سلیم صاحب ہی سنبھالتے اور ہر کام تن دہی سے کرتے تھے۔ سیٹھ عبداللہ بھی سلیم صاحب کو بھائیوں جیسا درجہ دیتے تھے۔

.....☆.....

''لائیے امی! برتن میں دھو دیتا ہوں۔'' عادل باورچی خانے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا! میں کر لوں گی۔'' امی نے عادل کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''امی! کبھی ہمیں بھی کام کرنے کا موقع دیا کریں۔ میں نے اسکول کا ہوم ورک ختم کر لیا ہے۔ لائیں مجھے کرنے دیں۔'' عادل نے امی کے ہاتھ سے برتن دھونے کا صابن لیا اور برتن دھونے لگا۔

''احمد بیٹا! آپ کیا کر رہے ہو؟'' امی نے احمد کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''امی! میں اپنے اور عادل کے کپڑے استری کر رہا ہوں۔'' احمد نے استری اسٹینڈ پر کپڑے پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

''شاباش بیٹا! میرے دونوں شہزادوں کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔'' امی نے دعائیہ کلمات سے نوازا۔

احمد اور عادل کو کل کے دن کا شدت سے انتظار تھا۔ دونوں نے کل تفریح پر جانے کی ساری تیاری مکمل کر لی تھی۔

.....☆.....

''میں آن لائن ٹیکسی منگواتا ہوں، آپ لوگ سامان دروازے کے پاس لاکر رکھ لیں۔'' ابو نے بچوں کو ہدایت دی۔

امی بھی برقع پہن کر تیار ہو چکی تھیں۔ تھوڑی دیر میں ٹیکسی بھی دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ سامان گاڑی میں رکھ کر سب روانہ ہو گئے۔

صبح کے سہانے وقت میں شہر کے مناظر دیکھ کر سب لطف اندوز ہونے لگے۔

بندرگاہ سلیم صاحب کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی بندرگاہ پہنچ چکی تھی۔

''ابو! سب سے پہلے ہم کشتی پر بیٹھیں گے، پھر ساحل کے کنارے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔'' احمد نے تجویز پیش کی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! پہلے میں کشتی کی بات کر لیتا ہوں، آپ اور عادل یہیں امی کے پاس ٹھہریں۔''

''بھائی صاحب! کیا کرایہ لو گے؟'' ابو نے ایک مچھیارے سے پوچھا۔

''ایک گھنٹا سواری کے پانچ ہزار روپے، جس میں مچھلی کا شکار شامل نہیں۔'' مچھیارے نے کرایہ بتلایا۔

''ارے، یہ تو بہت زیادہ ہیں، کچھ مناسب کر لیں۔'' سلیم صاحب نے کرائے میں رعایت چاہی۔

''صاحب! آپ کی مرضی ہے۔'' مچھیارا منہ بسورتے ہوئے بولا۔

سلیم صاحب نے ماہی گیروں پر نظر دوڑائی۔ کچھ ہی فاصلے پر ایک مچھیارا، تقریباً گیارہ بارہ سال کا لڑکا جال صاف کر رہا تھا۔

''بیٹا! ایک گھنٹے کے کتنے پیسے لو گے؟'' ابو نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''انکل جی! تین ہزار روپے لوں گا۔ ساتھ ساتھ شکار کی جگہ بھی لے جاؤں گا۔ شکار کا سامان بھی اس میں شامل ہے۔'' ننھے مچھیارے نے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے! بہت مناسب ہے۔ میں اپنے گھر والوں کو لے کر آتا ہوں۔''

''چلیں بھئی! ننھے مچھیارے سے میں نے بات کر لی ہے۔'' ابو نے آ کر کہا اور سب خوشی خوشی کشتی کی طرف چل پڑے۔

سب کشتی میں بیٹھ گئے تو ننھے مچھیارے نے کشتی چلانا شروع کر دی۔ سب دور تک پھیلے سمندر کے پُرلطف نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خوش گپیوں مصروف ہو گئے۔

سمندر کے کنارے سے کشتی جب کافی دور آ گئی تو ننھے مچھیارے نے اپنے قریب رکھے صندوقچے سے ایک کتاب نکالی اور ورق پلٹتے ہوئے اپنا مطلوبہ صفحہ ڈھونڈنے لگا۔

سلیم صاحب اور اُن کے گھر والے ننھے مچھیارے کے اس عمل کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ سلیم صاحب نے اس سے پوچھا:

''بیٹا! تمھارا نام کیا ہے؟ کیا تم اسکول میں پڑھتے ہو؟''

''جی انکل! میرا نام حذیفہ ہے اور میں.....'' مچھیارے نے بات ادھوری چھوڑ دی، کیوں کہ ننھا مچھیارا اَب کشتی کو شکار والی جگہ کے قریب لے آیا تھا اور کشتی کو ایک جگہ روک رہا تھا۔

''اب آپ شکار کا سامان لیں اور شکار کرنے کی کوشش کریں، باقی آپ کی قسمت ہے۔'' ننھے مچھیارے نے صندوقچے سے شکار کا سامان نکالتے ہوئے سلیم صاحب کو تھمایا۔

احمد اور عادل شکار کرنے میں مصروف ہو گئے اور ننھا مچھیارا کتاب پڑھنے میں مگن ہو گیا۔ سلیم صاحب حیرت زدہ نگاہوں سے اسے تکنے لگے۔

''بیٹا! تم کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟'' سلیم صاحب نے خاموشی توڑی۔

''نہیں انکل! میری قسمت میں کہاں اسکول جانا!؟'' ننھے مچھیارے کی آنکھوں میں مایوسی تھی، جسے سلیم صاحب نے محسوس کیا۔

''میرے ابو مچھیارے تھے، ان کا نام اسلم تھا۔ جب میں پانچویں جماعت میں تھا تو میرے والد صاحب کو دِل کا عارضہ لاحق ہوا اور وہ اسی عارضے میں انتقال کر گئے۔ میری والدہ کو جگر کی بیماری ہے۔ والدہ کے علاج کے لیے ہسپتال والوں نے پانچ لاکھ روپے جمع کروانے کا کہا ہے۔ میں اپنی والدہ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور ساحلی بستی کی ایک جھونپڑی میں رہتا ہوں۔ میرے والد صاحب مجھے پڑھانا چاہتے تھے، لیکن والد صاحب کے انتقال کے

بعد میں اپنی پڑھائی جاری نہ رکھ سکا۔'' ننھے مچھیارے نے اپنی روداد سنائی۔

''مجھے پیسوں کی لالچ نہیں، میں دوسروں کی طرح زیادہ کرایہ نہیں مانگتا۔'' ننھا مچھیارا دوبارہ گویا ہوا۔

''بیٹا! میں تمھاری مدد کرسکتا ہوں۔'' سلیم صاحب نے ننھے مچھیارے میں امید کی کرن جگائی۔

''کیسی مدد!؟'' ننھے مچھیارے نے بے تابی سے پوچھا۔

''بیٹا! جہاں میرے دونوں بیٹے تعلیم حاصل کررہے ہیں، میں تمھارے لیے بھی وہاں تعلیم حاصل کرنے کا بندوبست کرنے کی کوشش کروں گا، تاکہ تم بھی اپنے والدین کا خواب پورا کرسکو۔'' ابو نے اس کی دل چسپی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر اِسکول کی فیس، کتابوں کا خرچہ اور دیگر اِخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ کیوں کہ آج کل تعلیم بہت مہنگی ہوگئی ہے۔'' ننھے مچھیارے نے مسئلے کا حل جاننا چاہا۔

''کچھ بھی مشکل نہیں! ایک مہینے بعد داخلے شروع ہوں گے، میں ایک مہینے بعد تمھیں لینے آؤں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! لیکن تم مجھے ملو گے کیسے!؟'' سلیم صاحب مچھیارے کو تشویشی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''میں آپ کو اپنی کشتی کا نمبر اور نام لکھ کر دے دیتا ہوں، آپ کسی سے بھی پوچھ لیجیے گا، میرا ٹھکانا بتادیں گے۔'' ننھے مچھیارے نے بستے سے چھوٹی سے پرچی نکالی اور لکھنے لگا۔

''اب ہم واپس چلتے ہیں۔'' احمد اور عادل نے شکار کا سامان سمیٹنا شروع کیا۔

سمندر کے کنارے پہنچنے پر ابو ننھے مچھیارے کو زیادہ کرایہ دینے لگے۔ مچھیارے نے لینے سے انکار کیا، لیکن ابو نے زبردستی دے دیا۔

.....☆.....

سلیم صاحب کو اپنا وعدہ یاد تھا اور اُنھوں نے اس کی تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کرلیا تھا۔ ایک مہینے بعد سلیم صاحب نے بندرگاہ پہنچ کر ایک آدمی سے ننھے مچھیارے کا پوچھا۔ اس آدمی نے فوراً ننھے مچھیارے کا ٹھکانا انگلی کے اشارے سے بتایا۔ دور سے سلیم صاحب ننھے مچھیارے کو دیکھنے لگے۔ ننھا مچھیارا کتاب پڑھنے میں مگن تھا۔

''السلام علیکم! کیسے ہو ننھے مچھیارے!؟'' سلیم صاحب نے متوجہ کیا۔

''وعلیکم السلام! ارے انکل جی آپ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ننھے مچھیارے کا سلیم صاحب کو دیکھ کر خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

''چلو! میں نے تمھارے داخلے کا انتظام کرلیا ہے، اپنی والدہ سے اجازت لے لو، پھر ہم اسکول چلتے ہیں۔'' سلیم صاحب ننھے مچھیارے کو لے کر بستی کی طرف چل دیے۔

.....☆.....

مچھیارے نے دل لگا کر اپنے پڑھائی کا آغاز کیا۔ ساتھ ساتھ چھٹی والے دن کشتی بھی چلاتا رہا۔ سلیم صاحب نے ماہانہ آمدن بھی ننھے مچھیارے کے لیے مقرر کردی تھی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا ننھے مچھیارا ترقی کی منزلیں چڑھتا گیا اور کام یابی حاصل کرتا رہا۔

احمد اور عادل نے بھی حذیفہ کی بھرپور مدد کی اور اُسے مطالعے کی دیگر کتابیں فراہم کیں۔

ننھے مچھیارے نے اسکول کے تحریری مقابلے میں حصہ لیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔

کچھ عرصے بعد سلیم صاحب نے ایک اشتہار دیکھا اور حذیفہ کو اُس سے آگاہ کیا۔ اشتہار میں لکھا تھا کہ جو بھی پچاس صفحات پر مشتمل مسودہ لکھے گا اسے ہم کتابی شکل میں شائع کریں گے اور اِنعام بھی دیا جائے گا۔

حذیفہ نے مسوّدہ تحریر کرنے کی تگ و دو شروع کی اور اپنی آپ بیتی لکھ ڈالی۔ مسودہ، ادارے والوں کو بہت پسند آیا۔ حذیفہ کو نہ صرف انعام سے نوازا گیا، بل کہ مسوّدے کی جلد اِشاعت کی یقین دہانی بھی کروائی گی۔

.....☆.....

آج وہ وقت آپہنچا جس کا حذیفہ اور سلیم صاحب کو شدت سے انتظار تھا۔ حذیفہ کی کتاب شائع ہوچکی تھی اور پڑھنے والوں نے اس کی خوب پذیرائی کی تھی، کیوں کہ کتاب دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی خوب تھا:

''ننھا مچھیارا بنا لکھاری''۔

پیارے بچو! کیا آپ نے بھی علم کی شمع پھیلانے میں کبھی کسی کی مدد کی ہے؟

سوال آدھا جواب آدھا ۳۲

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱ مئی تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

❶ قرآن مجید میں کُل 26 انبیائے کرام علیہم السلام کے نام آئے ہیں..... آپ یہ بتائیے کہ قرآن مجید کی کتنی سورتیں انبیائے کرام علیہم السلام کے نام سے منسوب ہیں؟

❷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں نبوت عطا فرما دی تھی..... بتائیے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کب نبوت دی گئی تھی؟

❸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوۂ بدر'' کے موقع پر حضرت بشیر بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا..... بتائیے ''غزوۂ اُحد'' کے موقع پر یہ اعزاز کن صحابی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تھا؟

❹ ''سلسلہ چشتیہ'' کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا جاتا ہے..... بتائیے ''سلسلہ قادریہ'' کون سے بزرگ سے منسوب ہے؟

❺ ''خاندانِ غلاماں'' کے پہلے حکمران قطب الدین ایبک نے 1206ء سے 1210ء تک ہندوستان پر حکومت کی تھی..... بتائیے ''خاندانِ خلجی'' کے پہلے حکمران جلال الدین خلجی کے دورِ حکومت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

❻ ''نقرئی شہر'' الجزائر کے شہر ''الجزیرہ'' کو کہتے ہیں..... بتائیے ''شاہینوں کا شہر'' پاکستان کے کس شہر کو کہا جاتا ہے؟

❼ برونئی نے یکم جنوری 1984ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی..... آپ یہ بتائیے کہ کرغزستان 31، اگست 1991ء کو کس ملک کے قبضے سے آزاد ہوا تھا؟

❽ پاکستان کا قومی پرندہ ''چکور'' ہے..... بتائیے پاکستان کے قومی جانور کا کیا نام ہے؟

❾ ایران میں شرحِ خواندگی کا تناسب 85 فی صد ہے..... بتائیے براعظم یورپ میں واقع واحد اِسلامی ملک اَلبانیا میں شرحِ خواندگی کا تناسب کتنے فی صد ہے؟

❿ ''ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کرتی ہے'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''ایک شخص کی نالائقی سے پورے خاندان کی عزت پر حرف آتا ہے''..... بتائیے ''ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی'' کا کیا مطلب ہے؟

مٹھائی کا ایک ٹکڑا

افشاں اقبال۔ کراچی

ہارون کو گاؤں کی پکی سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے اپنے بچپن کے دن یاد آرہے تھے۔ وہ بے لوث رشتے، بے غرض دوستیاں یاد آرہی تھیں جو شہر کی رونق بھری زندگی میں کہیں کھو گئی تھیں، لیکن جب آج بہت دل گھبرایا تو اُس نے اپنا بچپن پھر سے جینے کے لیے گاؤں کا رُخ کیا۔ گاؤں میں اب زیادہ رشتے دار تو باقی نہیں رہے تھے، کیوں کہ زیادہ تر نے ہارون ہی کی طرح رنگین زندگی گزارنے کے لیے شہر کا رُخ کرلیا تھا، لیکن آج بھی ہارون کا جگری دوست جمشید، گاؤں میں ہی رہتا تھا اور اپنی سادہ زندگی پر کر بہت خوش تھا۔

ہارون کو دیکھ کر جمشید کی آنکھیں بھر آئیں۔ دونوں دوست کتنی ہی دیر تک ایک دوسرے کے گلے لگے رہے۔

''یار سے مل کر دِل کو سکون مل گیا۔''

ہارون نے اپنی دلی کیفیت بیان کی۔

''جبھی تو تُو اتنی جلدی دوست سے ملنے آ گیا۔''

جمشید نے شکوہ کیا۔

''بس کیا کہوں!؟ شہر کی دوڑتی بھاگتی زندگی میں وقت کیسے گزرتا ہے، پتا ہی نہیں چلتا۔''

''آج بھی ایک بے چینی، ایک جرم یہاں مجھے گھسیٹ لایا ہے!؟''

''کون سا جرم؟ کون سی بے چینی؟ میں سمجھا نہیں ہارون!''

''شاید تم بھول گئے ہو بچپن کی چوری، لیکن مجھے ابھی بھی یاد ہے۔''

جمشید نے دماغ پر زور دیا تو ایک کے بعد ایک تصویر اُس کے سامنے آنے لگی۔

.....☆.....

دونٹ کھٹ سے لڑکے، جن کے اسکول کے باہر چچا شکور کی مٹھائی کی دکان تھی۔ دیسی گھی سے بنی مٹھائی کی خوش بو اُن کی بھوک میں اضافہ کر دیتی، لیکن سوائے جمعرات کے ان کی جیب میں اتنے پیسے نہ ہوتے تھے کہ وہ دونوں ایک لڈو، جلیبی یا پھر قلاقند کا ایک ٹکڑا ہی خرید پاتے۔

ایک دن ان کی کلاس میں ایک لڑکا جاوید نقلی نوٹ لایا جو اُس کے ماموں اس کے لیے شہر سے لائے تھے، لیکن وہ بالکل اصل جیسے دکھتے تھے۔

''یہ دو روپے لے لو اور ہمیں سارے نوٹ دے دو۔'' ہارون نے اسے پیش کش کی۔

''ہاں ہاں، لے لو، نقلی روپوں کا میں کیا کروں گا دو روپے سے کچھ مل تو جائے گا۔''

جاوید نے خوشی خوشی پیسے دونوں لڑکوں کے حوالے کر دیے۔

''دیکھو جمشید! تم چچا شکور سے بات نہیں کرنا، ورنہ تمھارے لہجے سے چچا شکور ہماری چوری پکڑ لیں گے۔''

''ٹھیک ہے، میں چپ رہوں گا۔''

پھر تو اُن دونوں کا روز کا معمول بن گیا۔ وہ روز سیدھے سادے چچا شکور کو بے وقوف بناتے اور نقلی روپے دے کر اصلی مٹھائی خرید لیتے اور مزے لے لے کر کھاتے۔

.....☆.....

''کیا چچا شکور کی اب بھی وہیں دکان ہے؟'' ہارون نے تجسس سے پوچھا۔

''دکان تو وہیں ہے، لیکن اب چچا شکور دُکان پر نہیں آتے، ان کا بیٹا دکان چلاتا ہے۔''

''جمشید! چچا شکور کے پاس چلتے ہیں اور اُن کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں۔''

.....☆.....

''چچا شکور! پہچانا مجھے؟''

ہارون نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی اتنا بھی بوڑھا نہیں ہوا کہ اپنے روزانہ کے گاہک کو بھول جاؤں۔''

ہارون کچھ شرمندہ ہوا۔

''آج ہم آپ کے سامنے ایک بات کا اعتراف کرنے آئے ہیں۔''

ہارون اور جمشید نے سنجیدگی سے کہا۔

''اعتراف بعد میں کرنا، پہلے میرے پاس تمھاری ایک امانت ہے، وہ لے لو۔''

امانت کا سن کر ہارون اور جمشید ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

شکور چچا نے الماری سے ایک بوسیدہ سی تھیلی نکالی، جس میں بہت سارے نوٹ تھے۔ ''یہ لو تمھاری امانت، اب اسے تم رکھو۔ کافی عرصے سے اسے میں نے سنبھال کر رکھا ہے، لیکن اب میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔''

''چچا! آپ جانتے تھے ہم آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، اس کے باوجود بھی آپ ہمیں مٹھائی دیتے رہے، کیوں؟''

ہارون اور جمشید نے تھیلی دیکھ کر یک زبان ہو کر پوچھا۔

''اس لیے کہ میں تم دونوں بچوں کا دِل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ تم دونوں کے چہرے پر مٹھائی کا ایک ٹکڑا پا کر جو خوشی ہوتی تھی اس خوشی کو میں ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''چچا! آپ ہمیں معاف کر دیں، ہم اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہیں۔''

''بچو! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، کبھی اپنے نفس کی بات نہ ماننا۔ وہ جس چیز کی طلب کرے کبھی اسے وہ مت دینا، ورنہ تم نفس کے غلام بن جاؤ گے اور پھر تم اپنے نفس کو سکون پہنچانے کے لیے صحیح یا غلط، کسی کا بھی خیال نہیں رکھو گے۔''

ہارون اور جمشید کو سنجیدہ دیکھ کر چچا شکور کہنے لگے:

''اتنے عرصے بعد آئے ہو، مٹھائی نہیں کھاؤ گے؟''

''چچا! نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

ہارون نے جواب دیا اور تینوں ہنس پڑے۔

.....☆.....

☆ انسان جب زندگی میں کام یابی کی منازل طے کر رہا ہو تو اُسے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اُس کی ابتدا کیا تھی، تاکہ اس میں تکبر پیدا نہ ہو۔ مگر اِس سے بھی کہیں زیادہ اہم بات جو ذہن میں رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی انتہا کیا ہوگی، تاکہ وہ ترقی کے نشے میں راستہ بھٹک کر کہیں اپنی اصل منزل ہی نہ کھو دے۔

☆ ہدایت، بندوق کی گولی نہیں جس سے دوسروں کو نشانہ بنایا جائے، بل کہ یہ روشنی ہے جو دِل سے پھوٹتی ہے اور سب سے پہلے ہمارے اپنے وجود کو منور کرتی ہے۔

☆ جو لوگ اپنے سینے میں تعصب کے ناگ پالتے ہیں وہ سب سے پہلے خود ہی ان کے زہر کا نشانہ بنتے ہیں۔

(شجاعت علی۔ کراچی)

☆ اعتبار، روح کی طرح ہے۔ اگر ایک بار چلا جائے تو پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

☆ قریب ترین آواز ضمیر کی آواز ہوتی ہے، مگر بہت کم لوگوں کو سنائی دیتی ہے۔

☆ نقص والا ہیرا بھی بے نقص کنکر سے بہتر ہی ہوتا ہے۔

☆ جو لوگ فیصلے بدلتے رہتے ہیں وہ کبھی کام یاب نہیں ہوتے۔

(انابیہ بنت محمد شعیب۔ کراچی)

☆ لوگ تقدیر کے ساتھ ساتھ اپنے ذہنوں اور ماحول کے بھی قیدی ہوتے ہیں۔

☆ دو دفعہ پوچھنا، ایک دفعہ غلط راہ اختیار کرنے سے بہتر ہے۔

☆ نرم گفتاری دلوں کو جیت لیتی ہے۔

(ایمن بنت محمد فیروز۔ حیدر آباد)

☆ گناہ کو پھیلانے کا ذریعہ بھی مت بنو، کیوں کہ ہوسکتا ہے آپ تو توبہ کرلو، پر جسے آپ نے گناہ پر لگایا ہے وہ آپ کی آخرت کی تباہی کا سبب بن جائے۔

☆ ہمیشہ انسانیت کی بہتری چاہو، اللہ تمھارے دشمنوں کو تمھارا مطیع کردے گا۔

☆ نیکی ایسے کرو جیسے بارش، وہ کچھ نہیں دیکھتی، بل کہ ہر جگہ کو سیراب کرتی ہے۔

☆ دشمن سے زیادہ خطرناک وہ ہے جو دوست بن کر بے وفائی کرے۔

☆ دنیا میں سب سے مہنگی چیز عزت ہے اور سب سے قیمتی چیز دوستی ہے۔

☆ وہی لوگ سربلند اور کام یاب رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو دور پھینک کر عاجزی کی چادر اُوڑھ لیتے ہیں۔

(سرفراز۔ حیدر آباد)

☆ انسان کی آزمائش جتنی بڑی ہوگی، انعام بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔

☆ اگر نیک اور مخلص بننا چاہتے ہو تو شبنم کے قطرے کی طرح شفاف ہوجاؤ۔

☆ نادان ہے شخص وہ ہے جو چھوٹی چیز کے لیے بڑی چیز کھو دیتا ہے۔

☆ اللہ کی راہ بظاہر کانٹوں سے بھری ہے، مگر درحقیقت اطمینان اور سکون کی دولت سے بھری پڑی ہے۔

☆ اچھا انسان وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا دکھ تو بھلا دے، مگر کسی کی دی ہوئی محبت کبھی نہ بھلائے۔

(سارہ فرخ۔ سکھر)

☆ ہمیشہ میٹھے بول بولو، تاکہ کبھی واپس لینے پڑیں تو کڑوے نہ لگیں۔

☆ جن لوگوں کے خیالات اچھے ہوتے ہیں وہ کبھی تنہا نہیں رہتے۔

☆ غصہ ایسی آندھی ہے جو دِماغ کا چراغ گُل کر دیتی ہے۔

(عامر اِعجاز۔ کوہاٹ)

بکھرے موتی

قارئین

فضول خرچی

عطیہ خان۔ جہلم

علی خوشی خوشی ہاتھ میں پہلی پوزیشن کی ٹرافی لے کر اِسکول سے لوٹا تو سب نے اسے پیار کیا اور مبارک باد دی۔ امی جان اور ابو جان نے تحفے کا بھی وعدہ کیا۔ آہستہ آہستہ سب رشتے داروں اور محلے والوں نے بھی مبارک باد کے لیے فون کرنا شروع کر دیا۔ سب بہت خوش تھے کہ علی نے چوتھی جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ اس کا بھائی سعد بھی اپنے بھائی کی کام یابی پر بہت خوش تھا۔ سعد کا بھی ساتویں جماعت کا نتیجہ آیا تھا، اس کی پوزیشن تو نہیں آئی تھی، مگر اس کے نمبر بہت اچھے تھے، جس پر اُس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے بھائی کی خوشی میں خوش ہو گیا۔

علی بھی پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر بہت خوش تھا، لیکن اسے ایک بات کی خوشی پوزیشن سے بھی زیادہ تھی، اور وہ بات یہ تھی کہ اب اسے بھی اپنے بھائی کی طرح پورے ہفتے کا جیب خرچ ایک ساتھ ملا کرے گا۔

چوتھی جماعت تک سعد کو بھی ہفتے میں صرف تین دن جیب خرچ ملتا تھا، باقی تین دن وہ صرف لنچ باکس لے کر جاتا تھا، لیکن جب وہ پانچویں جماعت میں گیا تو اُسے پورے ہفتے کا جیب خرچ ایک ساتھ دیا جانے لگا، تاکہ وہ سوچ سمجھ کر پیسے استعمال کرے اور وسائل کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھ اور سیکھ سکے۔ اکثر علی کہتا کہ اسے بھی پورے ہفتے کا جیب خرچ ایک ساتھ دیا جائے تو سب یہی کہتے کہ سعد کو پانچویں جماعت سے ملا تھا، آپ کو بھی اسی جماعت سے دیا جائے گا، اس لیے علی بہت خوش تھا۔

کچھ دن گزرے، علی اور سعد نے نئی جماعت کی کتابیں اور کاپیاں خریدیں، ان پر کور چڑھائے۔ دونوں اپنی اپنی نئی جماعت کے لیے بہت پُرجوش تھے۔ بالآخر ہفتہ شروع ہوا۔ آج ان دونوں کو اِسکول جانا تھا۔ امی جان نے دونوں کو ہفتے بھر کا جیب خرچ دیا اور ساتھ نصیحت بھی کی کہ سوچ سمجھ کر خرچ کرنا، مگر چوں کہ علی نجانے کب سے اس دن کا انتظار کر رہا تھا، اس نے امی جان کی بات پر دھیان نہیں دیا اور اِسکول چلا گیا۔ پہلے دن ہی علی نے اسکول کینٹین سے چاکلیٹ لے کر کھائی تو اُس کا دل چاہا کہ اب کچھ نمکین کھائے، لہٰذا اُس نے سموسا کھایا، پھر پیسوں کو دیکھا اور سوچا کہ ابھی تو میرے پاس بہت سارے

پیسے ہیں، کیوں نا جوس پیا جائے! یوں جوس بھی پیا اور خوشی میں جھومتا کمرۂ جماعت میں واپس چلا گیا۔

اگلے دن سعد نے علی سے جیب خرچ کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کالر جھاڑتے ہوئے کہا کہ میرے پاس ابھی بہت سارے پیسے ہیں، میں پورا ہفتہ آرام سے گزار سکتا ہوں۔ یوں اس نے دوسرے دن بھی ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن تو اُسے اتنی بھوک بھی نہیں تھی، اس نے آدھا رول کھا کر چھوڑ بھی دیا۔ تیسرے دن علی کینٹین گیا اور کچھ لینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ اس کے پاس تو چاکلیٹ خریدنے کے بھی پیسے نہیں ہیں، جب کہ اس نے تو سوچا تھا کہ وہ نہ صرف ایک ہفتہ گزارے گا، بل کہ سعد بھیا کی طرح اپنے غلک میں بھی کچھ پیسے جمع کر لے گا، مگر یہ کیا! علی کی جیب تو بالکل خالی ہو چکی تھی۔ اس نے اردگرد اپنے دوستوں کو دیکھا جو مزے سے کچھ نہ کچھ کھا رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر علی کے منہ میں پانی آنے لگا، مگر اُس کے پاس تو پیسے ہی نہیں تھے، نہ آج کے لیے اور نہ ہفتے کے باقی دنوں کے لیے۔ علی اداس ہو کر کلاس میں واپس چلا آ گیا۔

علی اسکول سے حسبِ معمول خوشی خوشی واپس نہیں آیا تھا اور باقی پورا دِن بھی چپ چپ رہا تھا۔ رات کو سعد نے اس سے پوچھا:

''کیا بات ہے علی! آپ کسی بات پر پریشان ہیں؟''

علی بتانے سے گھبرا رہا تھا، کیوں کہ وہ دل ہی دل میں اپنی فضول خرچی کے لیے شرمندہ بھی تھا، اس لیے اس نے اپنے بھیا کو سچ نہ بتایا۔

ہفتے کے چوتھے روز سعد نے آدھی چھٹی کے وقفے میں دیکھا کہ علی کی کلاس کے سب بچے کینٹین میں ہیں، مگر اُسے علی کہیں بھی نظر نہیں آیا تو وہ علی کی کلاس میں گیا جہاں علی ڈیسک پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''علی کیا بات ہے، آپ کینٹین میں نہیں گئے؟'' سعد بھیا کی آواز پر اُس نے اوپر دیکھا، مگر پھر سر جھکا لیا۔

''بھیا! دراصل میں نے سارا جیب خرچ دو ہی دنوں میں خرچ کر دیا ہے۔''

''اللہ اکبر! علی! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ امی جان نے تو پورے ہفتے کا جیب خرچ دیا تھا ہمیں۔'' سعد بھیا نے حیرت سے کہا۔

''مجھے لگا بھیا! میرے پاس ابھی بہت سارے پیسے ہیں، اس لیے میں نے سوچے سمجھے بنا خرچ کر دیے۔'' علی نے اداسی سے کہا۔

''علی آپ کو پتا ہے امی جان نے ہمیں پورے ہفتے کا جیب خرچ ایک ساتھ کیوں دیا؟'' سعد کی بات پر علی نے ناسمجھی سے سعد بھیا کی طرف دیکھا۔

''تاکہ ہم پیسوں کو اپنی ضرورت کے مطابق تقسیم کر کے خرچ کرنا سیکھ سکیں، آپ کو خود فیصلہ کرنا تھا کہ آپ روز کے کتنے پیسے خرچ کریں تو آپ نہ صرف آسانی سے ہفتہ گزار سکیں، بل کہ بچت کے طور پہ کچھ پیسے بچا بھی سکیں۔'' سعد بھیا اسے بہت شفقت سے سمجھا رہے تھے۔

''مگر بھیا! زیادہ پیسے دیکھ کر میرا دل چاہا کہ میں زیادہ چیزیں کھاؤں۔''

''نہیں علی! پہلی بات تو یہ کہ ہمیشہ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہییں۔ مطلب یہ کہ آپ کے پاس جتنے وسائل ہوں ان میں ہی گزر بسر کرنی چاہیے۔ فضول خرچی کرنا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو بھی پسند نہیں۔ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔''

''استغفر اللہ! بھیا! میں نے ایسا ہرگز نہیں سوچا۔'' علی ایک دم پریشان ہو گیا۔

''فضول خرچی! اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے، اس کے علاوہ ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہم جب فضول خرچ بنتے ہیں تو پھر ہمارے پاس ضرورت کے لیے بھی وسائل نہیں بچتے، جس کی وجہ سے ہمیں دوسروں سے قرض لینا پڑتا ہے، جو کہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''بھیا! تو کیا ہمیں خرچ نہیں کرنا چاہیے؟'' علی نے بات کو سمجھنے کی کوشش کی۔

''بالکل کرنا چاہیے، کنجوسی بھی منع ہے۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور پھر بھی نہ لیں تو یہ بھی اچھی بات نہیں۔ بس ہمیں میانہ روی سے کام لینا چاہیے، نہ تو فضول خرچ بننا چاہیے اور نہ کنجوس۔'' سعد نے بات کی وضاحت کی۔

''میں سمجھ گیا بھیا! میں آئندہ ان شاء اللہ! خیال رکھوں گا اور دھیان سے خرچ کروں گا، تاکہ مجھے زندگی میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔'' علی، سعد بھیا کی بات سمجھ گیا تھا۔

''یہ ہوئی نا بات! شاباش! چلو آؤ، آج ہم مل کر لنچ کرتے ہیں۔'' سعد اُسے اپنے ساتھ لے کر کینٹین کی طرف چلا گیا۔ بقیہ دن انھوں نے مل کر کھایا، جب کہ اگلے ہفتے سے علی نے بہت دھیان سے پیسے خرچ کیے، جس کی وجہ سے وہ بچت کرنے میں بھی کام یاب ہوا۔

تو پیارے بچو! ہمیشہ فضول خرچی سے بچیں، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بھی پسندیدہ بن جائیں اور مالی مشکلات سے بھی بچ سکیں۔

اَنجو اور منجو

مترجم: عاطف حسین شاہ۔ چکوال

ایک گھر میں کئی چڑیاں اور چڑے رہتے تھے۔ وہ سب ہنسی خوشی وہاں رہ رہے تھے۔ ان ہی میں اَنجو اور منجو نام کی دو چڑیاں بھی تھیں، ان کی آپس میں خوب دوستی تھی۔ اَنجو کا جسم پتلا تھا، جب کہ منجو بھاری وجود رکھتی تھی۔ دونوں اکٹھے دانا چگنے جایا کرتی تھیں۔

جب اُن کے بچے چھوٹے ہوتے تو وہ ایک دوسرے کی مدد کرتیں۔ اگر اَنجو کے بچے چھوٹے ہوتے تو منجو اُسے گھونسلے میں ہی دانے لا کر دے دیتی۔ اسی طرح جب منجو کے بچے چھوٹے ہوتے تو اَنجو بھی اس کے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتی۔

ایک دن دونوں بیٹھ کر آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ انجو نے منجو سے کہا:

''بہن! ہماری تعداد دِن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔''

''ہاں بہن! کافی پریشانی والی بات ہے۔'' منجو بولی۔

''تمھارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟'' انجو نے پوچھا۔

''خیال کیا ہے، یہ تو نظر ہی آ رہا ہے کہ انسان کی لالچ بڑھ گئی ہے۔ لالچ میں آ کر یہ اپنے مقام سے بھی گر رہا ہے۔'' منجو بولی۔

''صحیح کہتی ہو، یہ تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے والی بات ہوئی۔ انسان فطرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔ اس نے ایٹم بم بھی بنا لیے ہیں، اگر یہ بم خود بخود چل گئے نا تو پھر دیکھنا یہ کتنا پچھتائے گا۔'' منجو نے غصے سے کہا۔

''اچھا چھوڑو، کیوں اپنا بلڈ پریشر بڑھا رہی ہو، بیمار ہو جاؤ گی۔ ہمارا تو علاج بھی کوئی نہیں کروائے گا۔'' انجو نے کہا۔

پھر اُنھوں نے موضوع بدل لیا اور اپنی ساتھی چڑیوں کے متعلق گفتگو کرنے لگیں۔

''دیکھو بہن! سوٹو کتنا تیز ہے۔ منٹوں میں ہی گھونسلا بنا لیتا ہے۔ بھاگ بھاگ کر گھاس پھوس ڈھونڈ لاتا ہے۔''

''یہ تو ہے، مگر دانے پٹھو سے منگواتا ہے۔''

پھر دونوں نے تفریح کرنے کے لیے اُڑنا شروع کر دیا۔ وہ کبھی یہاں اُڑتیں تو کبھی وہاں، پھر وہ گھر آ گئیں۔ شدید گرمی تھی۔ وہ گھر کے باہر موجود مٹی کے ڈھیر سے خود کو ٹھنڈک پہنچانے لگیں۔

پھر وہ شرارتیں کرنے لگیں۔ کبھی وہ ایک دوسرے سے کُشتی لڑتیں تو کبھی اُن میں سے ایک چٹکی کاٹ کر بھاگ جاتی اور دوسری اُس کے پیچھے لپکتی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پکڑن پکڑائی کھیل رہی ہوں۔ یوں ہی کھیلتے کھیلتے منجو ایک پانی والے پائپ میں جا گری۔ اس پائپ کا رُخ عموداً تھا۔ منجو نے باہر نکلنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ نکل نہ پائی۔ اتنی اونچی اُڑان اُس کے بس میں نہ تھی۔ اَنجو اُداس ہو گئی اور منجو رونے لگی۔

''مت رو منجو! میں کچھ بندوبست کرتی ہوں۔'' اَنجو نے منجو کو حوصلہ دیا۔ یہ کہہ کر وہ کوئی رسی یا مضبوط دھاگا تلاش کرنے لگی۔

بقیہ صفحہ نمبر: 28 پر

تاریخی جھانکیاں

قندیل روشن کرو

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ مصر کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ مصر کی جامع مسجد میں ان کا حدیث کا بہت بڑا حلقہ لگا کرتا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی بہت عزت فرماتے تھے۔

جب انھیں خط لکھتے تو یوں لکھتے:

''مصر کے مفتی عبداللہ بن وہب کے نام۔''

مؤرخین کہتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علاوہ کسی کو مفتی کے لقب سے نہیں یاد کیا۔

حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اسلامی افواج کے ساتھ سرحدوں پر پہرے داری کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔

علما اور محدثین رحمہم اللہ کا بکثرت یہ معمول تھا کہ علمی مشغولیات کے ساتھ ساتھ کچھ وقت نکال کر جہاد کے لیے اور سرحدوں کی پہرے داری کے لیے وقف کرتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی مشہور ہے، اور بھی کئی علما اس کا اہتمام کرتے تھے کہ مختلف اوقات میں سرحدوں پر پہرا دیں کہ اس کے بہت فضائل ہیں۔

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے: سرحد پر ایک دن اور رات کا پہرا ایک مہینے کے (نفلی) روزوں اور (نفلی) نمازوں سے بہتر ہے اور اگر اسی حال میں انتقال ہو گیا تو اُس کے اس نیک عمل کا اجر اُسے ملتا رہے گا۔''

(مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ صرف اسلامی سرحدوں پر پہرا دینا ہی ایک ایسا عمل ہے جس کا اجر قیامت تک ملتا رہتا ہے۔

(ترمذی، ۱۶۲۱)

چناں چہ حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسکندرہ (شہر کا نام ہے) پہرے داری کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے تو اَطراف کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ حاضر ہو کر درخواست کرنے لگے کہ حدیث کا درس دیں۔ حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یہ جگہ تو عبادت کے لیے زیادہ مناسب ہے (خلوت کا ماحول ہے)، چناں چہ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ پہرے پر ہوتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔

دو دِن بعد اُن کے پاس ایک شخص آیا اور اُن سے کہا:

میں آپ کو ایک خواب سنانے آیا ہوں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد ہے، مسجد حرام جیسی، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ علیہ السلام کے دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے ہیں اور بائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ علیہ السلام ان کے سامنے بیٹھے ہیں اور مسجد میں انتہائی روشن، چمک دار اور خوب صورت کئی قندیلیں جل رہی ہیں۔ اچانک ایک قندیل ماند پڑنے لگتی ہے، اس کی روشنی مدھم ہوتی ہے اور وہ بجھ جاتی ہے۔ جیسے ہی وہ بجھتی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے ارشاد فرماتے ہیں:

''کھڑے ہو عبداللہ! اسے روشن کردیتے ہیں، اس طرح پھر ایک اور بجھتی ہے اور آپ نبی علیہ السلام کے حکم سے اسے بھی روشن کردیتے ہیں۔

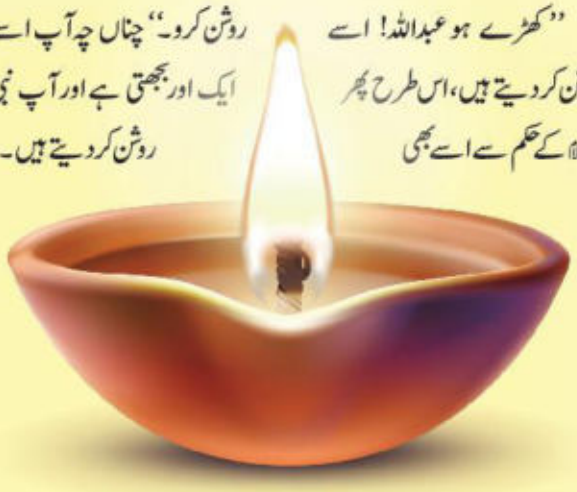

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے چند دِن اس جگہ قیام کیا۔ اس کے بعد وہ ساری قندیلیں بجھنے لگیں اور سب کی روشنی مدہم پڑ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فکر مند ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ان قندیلوں کو نہیں دیکھ رہے (کہ یہ کیسے بجھنے کے قریب ہیں!)؟' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ عبداللہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ انھیں بجھانا چاہتا ہے۔''

یہ خواب سن کر حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔ اس آدمی کر کہا:

''میں تو آپ کو خوش کرنے آیا تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ اسے سن کر آپ غم گین ہوں گے تو میں آپ کو ہرگز نہ بتاتا۔''

حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بھائی! یہ تو بہت اچھا خواب ہے۔ اس میں مجھے نصیحت کی گئی ہے۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ نفل عبادت کرنا علم پھیلانے سے زیادہ افضل ہے (لیکن ایسا نہیں ہے)۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نفلی عبادات کے وقت کو مختصر کر کے علم کے لیے وقف کیا اور حدیث کا حلقہ لگایا، جس میں لوگ ان کے پاس آتے اور حدیث پڑھتے۔

اس واقعے سے کئی سبق ملتے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا اونچا مرتبہ تھا! یہ مرتبہ اس وقت ملتا ہے جب علم کے ساتھ تقویٰ بھی ہو۔

۲۔ اس وقت کے طلبہ کو بھی علم کا کیسا شوق تھا کہ حدیث کے ماہر عالم ان کے علاقے میں تشریف لائے تو اُن سے علم سیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

۳۔ قرآن و حدیث کا سیکھنا نفلی عبادت سے بھی افضل ہے۔ یہ فضیلت قرآن و حدیث کے علم کی ہے۔ دنیاوی علوم سیکھنے کی ممانعت نہیں ہے، لیکن یہ بشارتیں ان علوم کے لیے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن و حدیث کا علم سیکھنے کا جذبہ عطا فرمائے اور علما کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ترتیب المدارک، ۴۲۶، المختار شیخ عوامہ: ۱۷۲، بشریٰ)

بقیہ: اَنجو اور منجو

گھر کے باہر ایک طرف کباڑ پڑا تھا۔ اُس میں دیگر سامان کے علاوہ چارپائی کی سوت والی رسیاں بھی تھیں۔ اُن میں سے اس نے ایک لمبی رسی اپنی چونچ کی مدد سے نکالی اور ایک سرے سے پکڑ کر لے آئی، پھر وہ پائپ پر بیٹھی اور رسی کا ایک سرا پائپ کے اندر پھینک دیا، تاکہ منجو اُسے منہ میں دبا لے اور دوسرا سرا اُس نے اپنے منہ سے پکڑ لیا۔ دونوں نے بہتیرا زور لگایا، مگر کام یاب نہ ہوئیں، کیوں کہ منجو بہت بھاری تھی۔

اَنجو اُداس ہو گئی۔ دن ڈھل رہا تھا، پرندے اپنے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے۔

.....☆.....

اَنجو اور منجو کو اپنے گھونسلے میں نہ پا کر اُن کے پڑوسی پرندے فکر مند ہو گئے، پھر وہ اُن دونوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

بالآخر وہ اُس پائپ تک پہنچ گئے جس کے اندر منجو پھنسی ہوئی تھی۔ پائپ پر بیٹھی اَنجو کو دیکھ کر سوئو نے پوچھا:

''ہاں اَنجو! کیا ہوا؟''

اَنجو نے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو سوئو بولا:

''چلو، منجو کو باہر نکالنے کے لیے سب مل کر زور لگاتے ہیں۔''

پھر سب نے مل کر رسی کو کھینچا تو منجو باہر آ گئی۔ اُسے صحیح سلامت دیکھ کر سبھی چڑیاں اور چڑے بہت خوش ہوئے۔

صدقہ جاریہ

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

وہ کئی دنوں سے بیمار تھیں۔ میں بھی ان کی بیماری کی وجہ سے مسلسل ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس رہ رہا تھا۔ بیماری کافی پرانی ہو چکی تھی اور پھر عمر کا تقاضا بھی تھا۔ عمر اُن کی اسّی سال کے لگ بھگ تھی۔

اپنی وفات سے ایک دن قبل انھوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور باقی سب افراد کو باہر بھیج دیا۔ جب سب باہر چلے گئے تو مجھے اپنے پرس میں سے کچھ زیور نکال کر دیے اور کہا:

''تم میرے چھوٹے بھائی ہو، بیٹوں کی طرح ہو اور بیٹوں ہی جتنے ہو۔ آج میں تمھاری بڑی بہن ہونے کے ناتے تمھارے ذمے ایک کام سونپ رہی ہوں، جو تمھیں ہر حال میں کرنا ہے، میری آخری خواہش سمجھ کر اور اپنی ماں جیسی بہن کی آخری خواہش سمجھ کر۔

میں دنیا سے چلی جاؤں تو یہ زیور بیچ دینا اور اِس سے کوئی دکان خرید لینا۔ وہ دکان کرائے پر دے دینا۔ اس کا جتنا بھی کرایہ آئے وہ غریب، مستحق، فقرا اور محتاجوں میں بانٹ دینا۔''

میرے جواب میں کچھ نہ کہنے پر باجی نے تھوڑی دیر سوچا، پھر گویا ہوئیں:

''شاید تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ میرے بعد میرے بیٹے تمھیں ایسا نہیں کرنے دیں گے، ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ میں یہ بات تمھیں تحریری طور پر لکھ بھی دیتی ہوں کہ اتنا میرا یہ زیور، جو کہ میرے پاس موجود ہے، وہ عفان کے حوالے کر دیا جائے، وہ میری طرف سے ایک دکان خرید کر اُس کا کرایہ مستحقین پر خرچ کرے گا، جو کہ میرے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔ میرے بیٹے تمھیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ ویسے بھی یہ سونا میرے پاس موجود کل مالیت کے چوتھائی سے بھی کم ہے اور شریعت بھی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ چوتھائی سے کم وصیت نافذ کی جائے۔''

یہ سن کر مجھے کچھ تشفی ہوئی۔ بہن کی وفات کے بعد میں نے وہ وصیت نامہ اپنے بھانجوں کو دکھایا تو اُنھوں نے بلا چوں چرا اں وہ تھیلی میرے حوالے کر دی۔ وہ سونا میں نے بیچ دیا۔ وہ تقریباً بیس ہزار ریال کے قریب فروخت ہوا، جب کہ میری بہن جو جائیداد چھوڑ کر مری تھی اس کی مالیت ایک کروڑ کے لگ بھگ تھی۔

بہر حال، میں نے ان پیسوں سے ایک مناسب جگہ پر ایک دکان خریدی اور اُسے دو ہزار ریال ماہوار کرائے پر دے دیا اور سارا کرایہ مستحقین پر خرچ کرنے لگا، نتیجے میں لوگ مجھے مفت میں

دعائیں دینے لگے۔

ایسے ہی تقریباً دس سال گزر گئے۔ میں معمول کے مطابق وہ کرایہ راہِ خدا میں مستحقین پر خرچ کرتا رہا۔ کئی بار مجھے پیسوں کی شدید ضرورت پڑی، مگر میں نے اس رقم میں سے ایک ریال بھی خرچ نہیں لیا۔

تقریباً دس سال کے بعد حکومت نے اس جگہ سے ایک بڑی شاہ راہ نکالنے کا ارادہ کیا جس جگہ وہ دکان بنی ہوئی تھی تو حکومت نے مجھے کئی لاکھ ریال دے کر وہ دکان خرید لی۔ ان ریال سے میں نے ایک جگہ کافی بڑی زمین خرید لی اور اُس پر ایک بہت بڑا ہوٹل اور بہت ساری دکانیں بنا دیں اور سب کی سب کرائے پر دے دیں۔

الحمدللہ! اب اس کی ماہانہ آمدن کرایے کی مد میں میرے پاس ہزاروں ریال آتے ہیں جو الحمدللہ میں باقاعدگی سے مستحقین پر خرچ کر دیتا ہوں اور میں نے اپنے بچوں کو بھی اس بات کی وصیت کر دی ہے کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو یہ سلسلہ جاری رکھنا، اپنی پھوپھی کا یہ صدقہ جاریہ کا سلسلہ، میری پیاری بہن کا صدقہ جاریہ کا سلسلہ۔

اور الحمدللہ! یہ خدمت کر کے مجھے دلی سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری بہن کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے اس صدقہ جاریہ کو تا قیامت جاری رکھے۔

شیخ محمد یحییٰ سے ملاقات میں ان کی زبانی ان کی بہن کی روداد سُن کر ہم سب بھی اش اش کر اُٹھے اور اُن کی بلندیِ درجات کی دعا کرتے ہوئے شیخ صاحب سے اجازت لے کر ہم ایک عزم کے ساتھ وہاں سے نکل پڑے، اپنے لیے ایک صدقہ جاریہ شروع کرنے کے عزم کے ساتھ۔

جھوٹوں کے جھوٹے (۲۷)

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

۸ اسحاق اخرس

دس سال بعد اب آ کر اِسحاق اخرس کی منصوبہ بندی مکمل ہوگئی تھی سو اُس نے رات کو اپنے چہرے پر چمکنے والا تیل لگایا اور چیخ و پکار شروع کر دی۔ لوگ پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھے اور اُس شخص کو تلاش کرنے لگے جو چیخ و پکار کر رہا تھا۔ لوگوں کے خیال میں اس شخص کو مدد کی ضرورت تھی اور واقعتاً ایسا ہی تھا، اسحاق کو مدد کی ضرورت تھی۔ اسے ضرورت تھی ایک سمجھ دار اِنسان کی، جو اُسے غلیظ کام کرنے سے بچاتا، مگر ابھی تک اسحاق کے بیمار اور گندے ذہن کے خیالات باہر نہیں نکلے تھے، اس لیے کوئی اس کی مدد کیسے کر سکتا تھا؟

کچھ دیر بعد چیخ و پکار بند ہوگئی اور پھر تلاوتِ قرآن کی آواز آنے لگی۔ اب لوگ تلاوت قرآن کی آواز کی سمت کا اندازہ لگاتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھے اور اُنھوں نے اسحاق اخرس کو تلاوت کرتا ہوا پایا۔ وہ اس کے یوں اچانک بولنے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے خیال کیا کہ اسحاق کو ولایت مل گئی ہے۔

اب لوگ اس کے گرد گھیرا بنائے کھڑے تھے اور وہ نماز میں مشغول تلاوت کر رہا تھا۔

ایسے میں صدر مدرس بھی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے پوچھا:

"یہ کون ہے جو اتنی اعلیٰ تلاوت کر رہا ہے؟"

کسی نے انھیں بتایا:

"یہ مدرسے میں رہنے والا اخرس ہے جو تلاوت کر رہا ہے۔"

"کیا!؟" صدر مدرس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی ہاں، بالکل! میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

صدر مدرس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو واقعتاً وہ اسحاق اخرس ہی تھا۔ اب وہ سب لوگ انتظار کرنے لگے کہ کب اسحاق اپنی نماز مکمل کرے اور ہم اس سے بات کریں۔ دوسری طرف اسحاق اخرس تھا کہ اپنی نماز لمبی پر لمبی کیے جا رہا تھا۔ وہ ایک سورت مکمل کرنے کے بعد اگلی سورت شروع کر دیتا تھا۔

ایسے میں صدر مدرس نے کہا:

"کیا ہی اچھا ہو کہ اگر حاکم شہر بھی اس بات کے متعلق جانیں اور یہاں آ کر یہ کرامت دیکھیں۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب صدر مدرس نے ایک شخص سے کہا:

"آپ ایسا کرو کہ حاکم شہر کے گھر جاؤ اور اُنھیں بلا لاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "میں ابھی چلا جاتا ہوں۔"

وہ جانے لگا تو اُس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تیار ہوگیا:

"میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، چلے چلو۔"

پھر وہ دونوں مل کر وہاں سے نکلے اور حاکم شہر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہاں محافظوں نے انھیں روک لیا اور پوچھا:

"کیا بات ہے؟ کہاں چلے آ رہے ہو؟"

ان دونوں میں سے ایک نے محافظ کو جواب دیا:

"ہم مدرسے سے آئے ہیں۔ ہمیں ہمارے مکتب کے صدر مدرس نے بھیجا

ہے۔ ہمارے مدرسے میں ایک بہت ہی حیران کن واقعہ پیش آیا ہے۔ ایسا واقعہ جس سے عقل حیران رہ جائے۔''

محافظ نے پوچھا:

''اچھا! ایسا کون سا واقعہ پیش آ گیا ہے؟''

ان دونوں نے سارا واقعہ محافظ کو سنایا۔ محافظ بھی ان کی بات سن کر حیران ہوا، مگر اُس نے ساتھ ہی کہا:

''ٹھیک ہے، یہ ایک حیران کن واقعہ ہے، مگر یہ ایسی بات نہیں ہے جس کے لیے حاکم شہر کو رات کے اس پہر پریشان کیا جائے۔ یہ بات انھیں صبح بھی بتائی جا سکتی ہے۔''

مگر وہ دونوں بضد تھے کہ حاکم شہر کو یہ بات ابھی بتائی جائے۔ محافظ انھیں ڈانٹنے لگا۔ یوں ان کی آوازیں بلند ہوئیں اور شور شرابے سے حاکم شہر بیدار ہو گئے۔ انھوں نے اپنے خدمت گاروں کو بلا کر معاملہ پوچھا تو انھیں ساری بات سے آگاہ کیا گیا۔ حاکم شہر نے کہا:

''میں صبح اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔''

یوں وہ دونوں ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

.....☆.....

دوسری طرف صدر مدرس بھی یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہے، بل کہ انھوں نے بھی اپنے ساتھ کچھ ساتھیوں کو لیا اور قاضی صاحب کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔ قاضی صاحب رات کے اس پہر اپنے دروازے پر اتنے لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گئے۔

''کیا بات ہے؟ کیا معاملہ ہے؟'' قاضی صاحب نے اتنے لوگوں کو اپنے دروازے پر دیکھ کر پوچھا۔

صدر مدرس نے انھیں اپنے مدرسے میں پیش آنے والا واقعہ ایسے انداز سے سنایا کہ قاضی صاحب بھی صدر مدرس کی طرح اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے اور رات کے اس پہر ہی ان کے ساتھ ہو لیے:

''اچھا، واقعی ایسی بات ہے! میں آپ کے ساتھ چل کر دیکھتا ہوں۔''

اب یہ چھوٹا سا قافلہ واپس مدرسے کی طرف بڑھا۔ وہاں پہنچے تو انھوں نے ان دونوں قاصدوں کو دیکھا جو حاکم شہر کے پاس گئے تھے۔ صدر مدرس نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے؟ تم لوگ حاکم شہر کو ساتھ نہیں لائے؟''

''حاکم شہر کا کہنا ہے کہ وہ اس معاملے کو صبح ہی دیکھیں گے۔'' ان دونوں نے حاکم شہر کا پیغام صدر مدرس کو پہنچایا۔

''اوہ اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔'' صدر مدرس بولے۔

.....☆.....

ادھر مسجد میں اسحاق نے جب محسوس کیا کہ اس کے گرد بہت کم لوگ ہیں اور وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ صدر مدرس نے حاکم شہر کو بلانے کے لیے لوگ بھیجے ہیں۔ یہی نہیں، بل کہ وہ خود قاضی شہر کو لینے کے لیے گئے ہیں تو اسحاق اخرس نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے اپنی نماز مکمل کر کے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کسی نے بھی اس سے کوئی سوال جواب نہیں کیا، بل کہ وہ سب لوگ تو اُس کے چہرے سے پھیلنے والی کرنیں دیکھ دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے۔

اسحاق کا ارادہ تھا کہ وہ اب صرف صدر مدرس ہی نہیں، بل کہ قاضی اور حاکم کے سامنے اپنی زبان کھولے گا۔

.....☆.....

''ارے، یہ اب تلاوت کی آواز کیوں نہیں آ رہی؟ کیا اخرس اب تلاوت نہیں کر رہا؟'' صدر مدرس نے پوچھا۔

''نہیں، وہ اب تلاوت نہیں کر رہا ہے۔ جب آپ لوگ گئے ہوئے تھے تو وہ اپنی نماز مکمل کر کے اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔'' کسی نے انھیں بتایا۔

''اوہ، اوہ!'' صدر مدرس نے کہا، پھر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے کہ اچانک انھیں خیال آیا کہ اسحاق اخرس کو اس وقت تنگ نہیں کرنا چاہیے اور اُسے سونے دینا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی انھوں نے قاضی صاحب سے کہا:

''میرے خیال میں اخرس کو اس وقت تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تھک گئے ہوں گے، اس لیے آرام کر رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے، میں بھی صبح نماز کے وقت آتا ہوں۔'' قاضی صاحب بھی وہاں سے اجازت لے کر چلے گئے اور سب مل کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔

.....(جاری ہے).....

املی

سعد علی چھیپا۔ کراچی

املی کا استعمال قدیم زمانے سے بطورِ غذا اور علاج کیا جارہا ہے۔ اسے اکثر کھانوں کا ذائقہ بڑھانے کے لیے بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ کھانوں کا ذائقہ بڑھانے کے علاوہ املی میں وٹامن سی، وٹامن ای اور وٹامن بی، کیلشیم، فاسفورس، آئرن، پوٹاشیم، میگنیز اور غذائی فائبر بھرپور مقدار میں پایا جاتا ہے۔

صحت کے لیے بے شمار فوائد کی حامل املی کے شربت کا بھی استعمال گرمیوں میں بڑے پیمانے پر بہت شوق سے کیا جاتا ہے، جس سے دیگر فوائد حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ گرمی کی شدت میں بھی کمی آتی ہے اور چٹنی وغیرہ دیسی کھانوں میں اس سے جان آجاتی ہے۔

املی کھانوں میں ذائقے کے ساتھ ساتھ اپنی طبی خصوصیات کے باعث مختلف دواؤں کا حصہ بھی بنتی ہے۔

پکی ہوئی املی ہاضم ہوتی ہے۔ متانے کی بیماریوں کو دور کرتی ہے اور پھنسیوں کے لیے بہترین ہے۔ خشک املی پیاس کی شدت کو روکتی ہے۔ یہ جگر ہاضمے اور انتڑیوں کے لیے نہایت مفید ہے۔

☆ املی میں وٹامنز اور منرلز کثیر مقدار میں پائے جاتے ہیں، جن کے استعمال سے صحت ٹھیک رہتی ہے اور معدہ بھی بہتر طریقے سے کام کرتا ہے۔

☆ املی کے استعمال سے انسان خود کو پُرسکون محسوس کرتا ہے۔

☆ املی میں پوٹاشیم بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے، جس کے باعث یہ بلڈ پریشر کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور دل کو پُرسکون رکھتی ہے۔

☆ املی میں موجود فائبر، شریانوں سے ایل۔ ڈی۔ ایل۔ کولیسٹرول یعنی منفی کولیسٹرول کو ختم کرتا ہے اور آنت کے کینسر سے بچاؤ ممکن بناتا ہے۔

☆ وزن میں کمی کے لیے املی کا استعمال بہت بہتر نتائج دیتا ہے۔ املی بھوک کم کرتی ہے اور یہ جسم میں اضافی چربی جمنے نہیں دیتی۔ وزن میں کمی کے لیے املی سے بنائے گئے مشروبات بھی استعمال کیے جاتے ہیں، جو کہ نہایت سودمند ثابت ہوتے ہیں۔

☆ املی مدافعتی نظام کو فروغ دے کر انسانی جسم کو بیماریوں سے بچاتی ہے اور صحت مند زندگی کو یقینی بناتی ہے۔

☆ املی میں موجود ''ٹارٹاریک ایسڈ'' ایک طاقت ور اینٹی آکسیڈینٹ کا کام کرتے ہوئے جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرتا ہے۔

☆ املی کا استعمال نظامِ ہضم کے لیے بہت اچھا ثابت ہوتا ہے۔ یہ کھانے کو ہضم کرنے کے عمل کو آسان بناتی ہے۔ قبض، گیس اور معدے کے دیگر مسائل سے بچا کر معدے کو طاقت دیتی ہے۔

☆ املی جسمانی پٹھوں اور اعضا کی بہتر کارکردگی کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

☆ املی طبیعت کو فرحت بخشتی ہے۔ متلی اور قے کی شکایت دور کر کے غذا کو ہضم کرتی ہے۔ متلی ہونے کی صورت میں اگر املی کا شربت استعمال کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔

☆ املی اعصابی عضلات کی صحت کو بہتر بنا کر جسم کو فعال اور مضبوط بناتی ہے۔

☆ املی کے پتوں سے زخم دھونے سے زخم جلدی ٹھیک ہوجاتے ہیں۔

☆ بھوک کی کمی اور قوتِ ہاضمہ کو بڑھانے کے لیے املی کی چٹنی کا استعمال نہایت مفید ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

امانت

عمارہ فہیم۔کراچی

''جیا! جیا! مجھے ایسی خبر ملی ہے اگر تم سنو گی نا تو تمھارے بھی ہوش اڑ جائیں گے۔'' ماریہ جوش سے بولتی ہوئی جویریہ کے پاس آئی تھی۔

.....☆.....

ماریہ اور نزہت چچی کی بیٹی، فاطمہ ایک ہی جماعت میں پڑھتی تھیں، اس لیے دونوں ہوم ورک بھی ساتھ ہی کیا کرتی تھیں۔ آج بھی ماریہ، فاطمہ کے ساتھ ہوم ورک کر رہی تھی کہ نزہت چچی کے کمرے سے آتی آوازیں اس کے کانوں کے راستے چلبلے دماغ میں بیٹھ گئیں اور اُس کے پیٹ میں مروڑ اُٹھنا شروع ہوگئی۔ آخر نئی بات کو جگہ دینے کے لیے پُرانی بات سے ننھے خانے کو خالی بھی تو کرنا تھا۔

.....☆.....

''کیا بات ہے! ایک تو ہر تھوڑی دیر بعد تمھیں کوئی نا کوئی خبر مل جاتی ہے اور پھر اُس کی وجہ سے اٹھتی پیٹ کی مروڑ ٹھیک کرنے کے لیے دوسروں کے سر میں درد کرتی ہو۔ تمھیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ یہ اچھی عادت نہیں ہے، مگر تمھاری سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ اور تمھاری یہ عادت پتا نہیں کس نے خراب کر دی ہے۔''

جویریہ، ماریہ سے ایک سال بڑی تھی، اسی لیے ماریہ کو اُس کی غلطیوں پر ٹوکتی تھی، لیکن وہ بھی کیا کرے، اتنی بڑی تو تھی نہیں کہ اسے معلوم ہوتا کہ سختی سے بات بننے کے بجائے بگڑتی ہے، لہٰذا وہ ہر بار ماریہ کو ڈانٹ دیتی تھی۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، بوڑھی روح کہیں کی!''

فائزہ پھوپھو، جو دو دِن پہلے ہی حیدر آباد سے کئی سالوں بعد رکنے آئی تھیں، ماریہ کو مستقل نوٹ کر رہی تھیں اور آج انھیں اس سے بات کرنے کا صحیح موقع نظر آیا تھا۔

''ماریہ! کیا ہوا بیٹے! کیوں بہن سے لڑائی کر رہی ہو؟''

''پھوپھی جان! میں نہیں لڑ رہی، میں تو بس اپنی بات اسے بتا رہی تھی اور وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے، میری بات سنتی ہی نہیں۔''

ماریہ نے منہ لٹکا کر ایسے کہا جیسے بہت بڑا ظلم ہو گیا ہو۔

''اچھا، یہاں آؤ اور مجھے بتاؤ کیا بتا رہی تھیں آپ۔''

ماریہ کو کیا چاہیے تھا، بس سننے کے لیے دو کان! اور یہی ہوا، اسے پھوپھی، سامع کی صورت مل گئی تھیں جو اُس کے لیے غنیمت تھی، اس لیے ساری داستان جلدی جلدی سنا دی۔

بقیہ صفحہ نمبر:36 پر

بومل

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر نجمہ بیگم جیسے ہی اندر داخل ہوئیں وہ بوکھلا گئی اور جھٹ سے اپنا دایاں ہاتھ کمر کے پیچھے کرلیا۔

''ہائے ہائے ظالم! یہ کیا کیا؟'' یک دم اندھیرے میں ڈوبنے پر بومل کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا۔

''کیا چھپا رہی ہو میمونہ!؟ کیا کر رہی تھیں؟'' انھوں نے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ لی تھی۔

''نن.....نہیں، کچھ بھی تو نہیں امی! بس یوں ہی بیٹھی تھی، سر دُکھ رہا تھا۔''

''توبہ! کتنا جھوٹ بول رہی ہو۔ مت میری ماردی ہے اور بہانہ اپنے سر دکھنے کا کر رہی ہے۔'' بومل نے خود کلامی کی، جسے کوئی بھی نہیں سن سکا تھا۔

میمونہ نے ایک جانب اوندھی پڑی کتاب بے دھیانی میں اٹھاتے ہوئے اپنے سامنے کی۔

''ہمم! تو اَب پڑھائی کر رہی ہو؟'' اس کے کمرے کا اچھی طرح سے جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''جی جی، وہی۔''

''ٹھیک ہے، پَر کتاب تو سیدھی پکڑو۔'' کمرے سے باہر نکلتے ہوئے انھوں نے کہا تو وہ کھسیانی ہنسی ہنس دی۔

ان کے جاتے ہی اس نے جلدی میں بند کیا موبائل پھر سے اٹھالیا۔

بومل سنہری رنگت اور مناسب قد و قامت کا ایک پیارا سا موبائل تھا، جو میمونہ نے رو دھو کر، خوب ضد کر کے چائنا میں رہنے والے اپنے ماموں سے منگوایا تھا۔ چودہ برس کی میمونہ آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ اس کی بہت سی ہم جماعتوں کے پاس موبائل اور ٹیب تھے۔ جب سے اس کے پاس موبائل آیا تھا اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ نت نئی ایپس ڈاؤنلوڈ کرتی، آن لائن گیمز کھیلتی، رنگ برنگی ویڈیوز دیکھتی اور سہیلیوں کے ساتھ گپ شپ کرتی۔ اس وجہ سے اس کی پڑھائی بھی متاثر ہو رہی تھی۔

کئی گھنٹوں سے مستقل جاگنے کی بدولت بوبل کو شدید کمزوری محسوس ہو رہی تھی، مگر میمونہ کو اُس کی پروا نہ تھی۔ وہ اپنے موبائل کی روشن اسکرین پر اُنگلیاں پھیرتے ہوئے مار دھاڑ والا ایک آن لائن گیم کھیلنے میں مگن تھی، تبھی بوبل کے سسٹم نے بیٹری لو کی وارننگ دینا شروع کی، مگر وہ گیم کھیلتی رہی۔ جب بیٹری پانچ فی صد رہ گئی تو اسکرین اندھیرے میں ڈوبنے لگی۔ بوبل کا دِل بیٹھنے لگا تھا۔

''کیا مصیبت ہے! یہ بیٹری کو بھی ابھی ختم ہونا تھا۔'' میمونہ نے زچ ہوتے ہوئے بوبل کو گھورا تو اُسے زور کا جھٹکا لگا۔

''کتنی خود غرض ہے یہ! اسے میرا ذرا احساس نہیں۔'' بوبل نے آنکھیں موندتے ہوئے سوچا۔

اگلے ہی پل میمونہ نے چارجر لگا کر کے دوبارہ موبائل تھام لیا اور پھر گیم کھیلنے میں مگن ہوگئی۔

بوبل کا سر چکرا کر رہ گیا۔

''توبہ! یہ لڑکی مجھے سکون کا سانس نہیں لینے دے گی۔ چاہے مجھے جتنی مرضی تپ چڑھے، مگر اسے کیا۔'' بوبل اپنے وجود کو بے بسی سے دھیرے دھیرے گرم ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

تبھی میمونہ کے ابو دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بہت غصے میں لگ رہے تھے۔

''کتنی دیر سے میں تمھیں آوازیں دے رہا ہوں۔ تمھیں سنائی نہیں دیں؟''

''جی..... نہیں ابو! وہ میں بس آ ہی رہی تھی۔'' اس نے جھٹ سے موبائل میز پر دھرتے ہوئے صفائی دی۔

''جھوٹ مت بولو۔ جب دیکھو، اس فساد کی جڑ سے چمٹی رہتی ہو۔ اس نحوست کو تو میں سرے سے ہی ختم کر دوں گا۔'' موبائل کو چارجر سے بُری طرح کھینچ کر ہٹاتے ہوئے وہ دھاڑے تو بوبل کراہ کر رہ گیا۔ ہر غلط حرکت پر وہ ہی مورد الزام کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ اس کا یہ دکھ سمجھنے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

.....☆.....

''ارے واہ بہنا! کتنی پیاری چیزیں بنائی ہیں، اور یہ مصوری دیکھو، کتنی سادہ سی اور خوب صورت ہے۔'' نجمہ بیگم نے اپنی اکلوتی بھانجی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیواروں اور میز پر آویزاں دست کاری کے نمونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آج وہ سب میمونہ کی خالہ کے گھر آئے ہوئے تھے۔ خالہ کی اکلوتی بیٹی بینا، میمونہ سے قریباً دو سال چھوٹی تھی۔

''شکریہ خالہ!'' بینا مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کس سے سیکھا یہ سب؟''

''آپا! آپ کو پتا تو ہے، تخلیقی کاموں میں اس کا ذہن کتنا چلتا ہے۔ اسے شوق تو شروع سے ہے، کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ پر جب سے اسے موبائل ملا ہے اس کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ اب تو ترکیبیں دیکھ کر چھوٹی موٹی کھانے کی ترکیبیں بھی آزمانے لگی ہے۔''

موبائل کے نام پر میمونہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ بینا کو بھی ماموں سے میمونہ جیسا موبائل تحفے میں ملا تھا۔

''موبائل سے یہ سب کیسے سیکھا؟'' میمونہ نے حیرانی سے سوال کیا۔

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔ پہلے میں پڑھائی مکمل کرتی ہوں، پھر جتنا وقت بچتا ہے اور میرا کچھ بنانے کا دل چاہتا اور طریقہ سمجھ میں نہیں آتا تو انٹرنیٹ پر تلاش کر لیتی ہوں۔ راہ نمائی بھی ہوتی ہے اور بہت کچھ نیا سیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ اسی طرح اگر پڑھائی کے سلسلے میں مدد درکار ہو تو اُس کا حل بھی مل جاتا ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''سیکھو اِس سے کچھ، تم سے چھوٹی ہے، پر کتنی سمجھ دار ہے۔ کتنا اچھا استعمال کر رہی ہے موبائل کا!'' نجمہ بیگم نے میمونہ کو گھورتے ہوئے کہا اور پھر اپنی بھانجی کی جانب دیکھا۔

''کاش! میری بیٹی بھی تمھارے جیسی ہوتی۔ اسے تو رنگ برنگے گیمز اور فضول ویڈیوز دیکھنے سے فرصت نہیں ملتی۔ پتا نہیں سہیلیوں کے ساتھ مل کر کیا کرتی رہتی ہے۔ ہمیں تو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔'' ماں کی اس بات پر مارے خفت کے میمونہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اسے دو چار روز قبل ابو اور امی کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی یاد آئی تو اگلے ہی پل وہ بھاگ کر کمرے سے نکل گئی۔

''آپا! آپ بھی نا! بچوں کے سامنے اس طرح نہیں کہتے، ان کا دل بُرا ہوتا ہے، وہ اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور پھر چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔'' خالہ یہ کہتے ہوئے میمونہ کے پیچھے لپکیں۔

.....☆.....

ایک ہفتے کا مسلسل آرام ملنے پر بوبل کی مرجھائی طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی تھی۔ جب سے میمونہ کے ابو نے سزا کے طور پر اُس سے موبائل لیا تھا بوبل کے اچھے دن شروع ہو گئے تھے۔ میمونہ اس کا بہت غلط استعمال کرتی تھی اور اِس بات پر بوبل اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا۔

بوبل اور اُس کے خاندان کے سبھی ساتھی ٹیکنالوجی کا ایسا شاہ کار ہیں جنھیں لوگوں کی زندگیوں میں سہولیات لانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ دوسری اشیا کی طرح ان کے بھی مثبت اور منفی استعمال ہیں۔ جس سوچ کے حامل انسان کے ہاتھ یہ لگتے ہیں وہ انھیں اپنی مرضی اور پسند سے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے، مگر بگاڑ اور نقصان کی ذمے داری بوبل اور اُس کے ساتھیوں پر ڈال دی جاتی ہے۔

ایسے رویوں سے بوبل بھی پریشان تھا۔ اگر اُس کی وجہ سے میمونہ بگڑ رہی تھی اور اُس کے معمولاتِ زندگی متاثر ہو رہے تھے تو یہ ذمے داری اب میمونہ پر ہی تھی کہ وہ خود کے طور طریقے بدلنے کی کوشش کرے۔

چند روز کی ضد اور جھگڑنے کے بعد میمونہ خاموش ہوگئی تھی۔ پہلے پہل تو اُسے پریشانی ہوئی، مگر آہستہ آہستہ وہ اب اپنے پرانے معمول پر واپس آ چکی تھی۔ اب اس کی آنکھیں بھی نہیں دکھتی تھیں۔ وہ وقت پر اِسکول کا کام مکمل کرتی۔ رات کو وقت پر سوتی۔ یوں وہ خود میں پہلے جیسی چستی اور تازگی محسوس کر رہی تھی۔ فارغ اوقات میں وہ اپنے ضروری کام نبٹاتی اور امی ابو کے ساتھ وقت گزارتی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کیسے نامحسوس طریقے سے وہ اپنوں سے دور ہوگئی تھی اور وہ جو کچھ سیکھ رہی تھی وہ اسے نہیں سیکھنا چاہیے تھا۔

دو ڈھائی ہفتے گزرنے کے بعد ابو نے خود ہی موبائل اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اسکول سے دیر ہونے پر کم از کم وہ اسے کال کر کے یہ تو پوچھ سکتے تھے کہ وہ ہے کہاں اور اور کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔ اشتعال انگیزی اور مار دھاڑ والے گیمز نہ کھیلنے اور فضول ویڈیوز بنانے اور شیئر کرنے پر پابندی مستقل طور عائد کر دی گئی تھی، جس پر میمونہ کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ اس کے والدین گاہے بگاہے اس کا موبائل چیک کرتے اور اُس کی سرگرمیوں پر نظر رکھ رہے تھے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے، یہ اسے اپنے عمل سے ثابت کرنا تھا۔ بوبل کو اپنا اچھا ساتھی مان کر اور ضرورت کی شے جان کر میمونہ نے تہیا کیا تھا کہ وہ نہ خود بگڑے گی اور نہ ہی بوبل پر کوئی الزام آنے دے گی۔

اس روز خالہ نے اسے سمجھایا تھا کہ ''اپنی عزت اور کسی بھی چیز کا مثبت استعمال کرنا اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہم جیسے کام کرتے ہیں اسی حساب سے ہمارے ساتھ رہنے والوں کی نظر میں ہماری عزت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے موبائل کو خود کو بہتر بنانے اور سیکھنے سکھانے کی صلاحیت بڑھانے کے لیے استعمال کرے گی تو نہ کوئی اس سے ناراض ہوگا، نہ ہی اسے اپنے گھر والوں سے جھوٹ بولنا پڑے گا اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' یوں میمونہ سمیت بوبل کی زندگی میں بھی سکون آ گیا۔ میمونہ کی مشکلیں اور بوبل کی دہائیاں بالآخر ختم ہوگئیں تھیں۔

بقیہ: امانت

پھوپھی نے بہت اطمینان سے ساری بات سنی اور پھر گویا ہوئیں:

''ماریہ بیٹے! ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: اَلمجالس بالامانة (مجلسیں امانت ہوتی ہیں۔)''

پھوپھی خاموش ہوئیں تو ماریہ بولی:

''پھوپھی! میں سمجھی نہیں کہ مجلسیں امانت ہوتی ہیں۔''

''دیکھو! جب دو یا زیادہ لوگ آپس میں بات کریں اور اِس مجلس میں سے ہی کوئی وہاں کی بات کہیں اور بتا دے تو یہ ایک تو خیانت ہوئی اور دوسرا اگر اُس میں کسی کے راز کی بات تھی تو یہ پردہ دری بھی ہوئی، اور اگر ایسی مجلس تھی جس میں ملکی سلامتی کی بات ہو رہی تھی اور وہ کہیں اور بتا دی تو ملک سے غداری ہوئی، اس لیے کبھی بھی کسی کی بات کسی دوسرے کو نہیں بتانی نہیں چاہیے، یہ بہت بُری بات ہوتی ہے۔ ہاں، اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے کسی کو فائدہ ہو، جیسے ابھی ہم نے حدیث پڑھی یا کوئی اچھی بات ہو تو اُسے ہم دوسروں کو بتا سکتے ہیں، اور جس طرح کسی مجلس کی بات دوسروں کو بتانا بُری بات ہے اسی طرح چپکے سے کسی مجلس کی بات سُننا بھی بُری بات ہے۔''

''اوہ! مطلب یہ کہ کسی کی بھی کوئی بات دوسروں کو بتانا بُری بات ہوتی ہے، اسی لیے جیا مجھے منع کرتی تھی، مگر وہ صحیح طریقے سے کبھی کوئی بات بتاتی ہی نہیں، اس لیے مجھے کیا معلوم کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، مگر اَب آئندہ میں ان شاء اللہ ایسا نہیں کروں گی۔''

ماریہ نے عزم کیا کہ اب وہ امانتوں کا خیال رکھے گی، کسی کی کوئی بات سننے کی کوشش نہیں کرے گی اور اگر کہیں سے کوئی بات سن بھی لے تو کسی دوسرے کو نہیں بتائے گی، تاکہ خیانت بھی نہ ہو اور شر بھی نہ پھیلے۔

محمد شریف شیوہ۔ لاہور

یہ دن

یہ دن جو عید کا ہے
اللہ کی عطا ہے

غربت کے ہیں جو مارے
ان کے بنو سہارے

فرمان ہے خدا کا
سردارِ انبیا کا

یوں عید تم مناؤ
دُکھیوں کے کام آؤ

سیرت کے بن کے غازی
مولیٰ کو کرلو راضی

سب رنجشیں بھلائیں
اور دل سے دل ملائیں

شفقت کا ہاتھ رکھنا
دل میں یہ بات رکھنا

آپس میں پیار بانٹو
دل کا قرار بانٹو

ہر گھر میں ہو اُجالا
راحت ہو دل کی مالا

جنت تمھیں ملے گی
دل کی کلی کھلے گی

کچھ ہاتھ نہیں آئے گا

فاتح کون ۲

۱۰

نذیر انبالوی۔ لاہور

''بہتر یہی ہے کہ آپ سوٹ واپس یا تبدیل کر لیجیے۔'' دائیں طرف کھڑی ایک خاتون نے نہایت ادب سے اسلم سے التجا کی۔

''میں ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ سیل میں خریدا ہوا سوٹ واپس یا تبدیل نہیں ہوگا، مجھے معلوم ہے تم میری دکان داری خراب کرنے آئی ہو، کس نے تمھیں بھیجا ہے؟'' اسلم کا لہجہ تلخ تھا۔

''مجھے کسی نے نہیں بھیجا، میں خود آئی ہوں۔ بس یہ سوٹ تبدیل کر دیجیے۔'' خاتون صابرہ نے کہا۔

''بی بی! اب یہاں سے جاتی ہو یا بلاؤں اپنے گارڈ کو۔'' اسلم کی بات سن کر ایک سماجی کارکن عائشہ جو دُکان میں موجود تھی، اس نے معاملے کی نزاکت دیکھ کر اسلم کو مخاطب کیا:

''آپ بدتمیزی پر بدتمیزی کر رہے ہیں، اس طرح دکان داری نہیں ہوتی۔ آپ.....''

''بی بی! تم کون ہو؟'' اسلم نے عائشہ کی بات کاٹی۔

''میں سماجی ورکر عائشہ علیم ہوں، بہتر یہی ہے کہ آپ سوٹ تبدیل کر دیں، ورنہ.....''

''ورنہ کیا کرو گی؟ ہاں بولو، کیا کرو گی؟'' اسلم کی بلند آواز پر وہاں موجود کچھ خواتین دکان سے باہر چلی گئیں۔

''ورنہ میں احتجاجاً اس بازار کے دفتر میں جا کر شکایت کروں گی۔'' عائشہ نے اسلم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''آپ غصہ نہ کیجیے، میں خود سوٹ کو ٹھیک کر لوں گی، لڑنا جھگڑنا اچھی بات نہیں۔'' یہ کہہ کر صابرہ باہر جانے لگی تو عائشہ نے اسے روکا۔

''نہیں، ایسے بد دماغ دکان داروں کو ٹھیک کرنا اشد ضروری ہے، یہ یوں نہیں مانے گا، اب اس کا علاج کرنا ہی پڑے گا۔'' عائشہ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

بدکلامی اور نفرت کی موجودگی سے دکان کا ماحول خراب ہو گیا تھا۔ اسلم کسی خاتون کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ بدکلامی اپنی کام یابی پر بہت خوش تھی۔ نفرت نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا:

''پہلا وار اور وہ بھی اتنا کاری، واہ! بہت خوب! اب ہم ضرور کام یاب ہوں گے، اسلم اب ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔''

''اب یہ میرے ہاتھ سے نہیں نکل سکتا، میں اس سے بات کرتی ہوں۔'' بدکلامی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد صابرہ سماجی ورکر عائشہ کے ساتھ دکان سے باہر چلی گئی۔ بدکلامی جھٹ اسلم کے پاس آ گئی۔

''یہ سازش ہے، یہ سب عورتیں کسی دشمن نے یہاں بھیجی ہیں، تمھیں دشمن کو تلاش کرنا چاہیے۔'' بدکلامی کی بات سن کر اسلم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

''اس بازار میں تو میرا ایک ہی دشمن ہے اور اُس کا نام ہے انور، انور گارمنٹس والا، میں اسے دیکھ لوں گا۔''

''کب اسے دیکھو گے؟ ابھی اس کے پاس جاؤ، بات کرو، دشمن کے وار کا جواب دینا چاہیے۔ تم نے دشمن کا مقابلہ نہ کیا تو تمھاری دکان داری جاتی رہے گی۔''

بدکلامی کی باتوں میں آ کر اسلم دکان اپنے بیٹے اور سیلز مین کے حوالے

کر کے دکان سے باہر چلا گیا۔ بازار میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اسلم پیدل چلتے ہوئے انور کی دکان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دکان گاہکوں سے بھری ہوئی تھی۔ انور نے اسلم کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے نہایت ادب سے کہا:

''اسلم بھائی! زہے نصیب! آجایئے۔''

''اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔'' اسلم نے انور کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا ہے اسلم بھائی؟'' انور اپنی کرسی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس نے اسلم کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو اسلم نے دھکا دیتے ہوئے کہا:

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ، بتاؤ، کیا چاہتے ہو تم؟''

''بھئی! ہوا کیا ہے؟ روزے میں اتنا غصہ، بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟'' انور نے اب بھی تمیز کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔

''تم جو حرکتیں کر رہے ہو اُس سے میری دکان داری خراب نہیں ہوگی، تمھیں منہ کی کھانا پڑے گی۔'' اسلم چلّایا۔

''چلاؤ مت، بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' انور کسی صورت لڑائی جھگڑے کے لیے تیار نہ تھا۔

اسلم نے جب ساری بات بیان کی تو انور نے اسلم کو بغور دیکھتے ہوئے نہایت محبت سے جواب دیا:

''میں نے ایسا نہیں کیا، میں کیوں چاہوں گا کہ تمھارا کاروبار خراب ہو۔ تم وہاں گاہکوں سے محبت کا رویہ رکھو۔ دکان داری تو میٹھے بول بولنے کا نام ہے، کڑوے ہوئے تو کاروبار ماند پڑ جائے گا۔ جاؤ، جا کر دکان داری کرو اور ہاں، دل صاف کر کے جانا، میں تمھارا کاروبار خراب کرنے والا کون ہوتا ہوں۔''

بدکلامی اسلم کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے اسلم کے کان میں سرگوشی کی:

''مکار اور دھوکے باز ہے، اس کی باتوں میں مت آنا، اسی نے خواتین کو تمھاری دکان پر بھیجا تھا۔''

''ہاں ہاں، میں جانتا ہوں، یہ چال باز ہے، میں اسے دیکھ لوں گا، بڑا آیا دل صاف کروانے والا۔'' بڑبڑاتے ہوئے اسلم وہاں سے اپنی دکان کی طرف چل دیا۔

اگلے دن اسلم دکان پر گیا تو وہاں بہت سے پلے کارڈز لگے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ پلے کارڈز کے ساتھ ساتھ عائشہ اور صابرہ کے علاوہ کچھ دوسری خواتین بھی کھڑی تھیں۔ پلے کارڈز پر اس طرح کے جملے لکھے ہوئے تھے:

''دکان داری میں بدتمیزی نہیں چلے گی۔''

''گاہک کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔''

''دکان داروں کے کڑوے بول، نامنظور، نامنظور!''

''خریدے ہوئے مال کی واپسی یا تبدیلی کی روش اپنایئے۔''

اسلم نے کارڈز پر نگاہ ڈالی اور منہ ہی منہ بڑبڑایا:

''انور! تم اس حد تک گر جاؤ گے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، میں خاموش نہیں رہوں گا۔''

''میں اور سوٹ واپس کروں، ایسا نہیں ہوگا، یہ سب میرے خلاف سازش ہے، میری دکان داری خراب کرنے کا حربہ ہے، میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔''

اسلم نے دکان کے تالے کھولتے ہوئے بڑبڑاہٹ جاری رکھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ دکان کے باہر خواتین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور کوئی بھی گاہک تو دکان میں داخل نہیں ہو رہا تھا۔ اسلم غصے سے بھرا دکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خاتون جمیلہ نے عائشہ کے کان میں کچھ کہا۔ عائشہ نے صابرہ سے بات کی۔ کچھ دیر بعد سب خواتین انور کی دکان کے سامنے موجود تھیں۔ اسلم یہ سمجھ رہا تھا کہ خواتین نے اپنا احتجاج ختم کر دیا ہے، مگر بات کچھ اور تھی۔ انور نے باپردہ خواتین کو نظریں جھکا کر کہا:

''میری بہنو! اسلم بھائی نے جو سلوک روا رکھا ہے، ٹھیک ہے وہ مناسب نہیں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ سب کو مزید تکلیف ہو اور میرے بھائی اسلم کا کاروبار خراب ہو۔ لایئے سوٹ میں تبدیل کر دیتا ہوں۔''

خواتین کو بات سمجھ میں آ گئی۔ صابرہ کو نیا سوٹ مل گیا اور معاملہ ختم ہوگیا۔ انور نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

''الحمدللہ! یہ معاملہ تو خوش اسلوبی سے طے پایا گیا ہے۔ اللہ کرے اسلم بھائی کے دل میں میرے بارے میں جو نفرت ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔''

بدکلامی اور نفرت اسلم کی دکان میں موجود تھیں۔ بدکلامی کی نظر خوش کلامی اور محبت پر پڑی تو اُس نے نفرت کو مخاطب کیا:

''اب مزہ آئے گا، مقابلہ تو اَب ہوگا۔''

نفرت بھی سمجھ گئی تھی کہ بدکلامی ایسا کیوں کہہ رہی ہے۔ اس سے قبل کہ خوش کلامی اور محبت اسلم سے کچھ کہتیں، عائشہ اور صابرہ دکان میں داخل ہوئیں۔

اسلم دکان داری خراب ہونے کے باعث پہلے ہی پریشان تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بدکلامی کرتے ہوئے بولا:

''انور کی سازش کام یاب ہوگئی ہے، میری دکان داری خراب کرنے میں وہ کام یاب ہوگیا ہے۔''

''دکان داری انور نے نہیں، تم نے خود خراب کی ہے، بدکلامی کرو گے تو کون تمھاری دکان میں آئے گا۔ یہ سوٹ دیکھو، یہ اسی نیک انسان نے تبدیل کر کے

دیا ہے جسے تم اپنا دشمن سمجھ رہے ہو۔'' پھر عائشہ نے ساری بات اسلم کو بتادی۔

عائشہ کے جانے کے بعد بھی اس کی باتوں کی گونج اسلم کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ وہ اس معاملے پر جس قدر غور کرتا جا رہا تھا اس کا سر شرمندگی سے جھکتا جا رہا تھا۔ وہ انور کے بارے میں کتنا غلط سوچتا رہا تھا۔

افطار کے بعد اسلم، انور کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بعد وہ معافی کا طلب گار تھا۔

''اسلم بھائی! شرمندہ تو نہ کریں، آپ کو غلط فہمی ہوگئی تھی، اب آپ کو حقیقت کا علم ہوگیا ہے تو یہ میرے لیے خوشی کا مقام ہے۔'' یہ کہتے ہوئے انور نے اسلم کو گلے لگالیا۔ اچانک اسلم کی نظر انور کی دکان میں آویزاں بورڈ پر پڑی:

''ہمارے ہاں خریدا ہوا سوٹ واپس یا تبدیل کیا جاسکتا ہے۔''

اگلے دن ایسا ہی ایک بورڈ اسلم کی دکان میں بھی نظر آرہا تھا۔ بدکلامی کو اُس وقت حیرت کا جھٹکا لگا جب اسلم ہر گاہک کے ساتھ خوش اخلاقی اور تمیز کے ساتھ بات کررہا تھا۔ بدکلامی نے نفرت کو دیکھا۔ اب ان کا وہاں ٹھہرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ دکان سے نکلتے ہوئے بدکلامی کی نظر خوش کلامی پر پڑی تھی۔

اس وقت نفرت محبت میں بدل گئی تھی جب اسلم ایک خوب صورت سوٹ لیے انور کی دکان میں داخل ہوا تھا۔

''انور بھائی! یہ عید کا تحفہ ہے، قبول کیجیے۔''

''اور یہ میری طرف سے آپ کے لیے ہے۔'' انور نے بھی ایک سوٹ اسلم کی طرف بڑھایا۔

''جزاک اللہ انور بھائی!''

''میرے لیے یہ عید کا تحفہ ہے کہ آپ آئے ہیں، نفرت کو شکست دے کر اور محبت کو ساتھ لے کر، اب یہ محبت برقرار رہنی چاہیے۔''

''ان شاء اللہ! ایسا ہی ہوگا۔'' اسلم نے انور کی بات کا جواب دیا۔

''بھاگو، بھاگو، یہاں اب کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، بھاگو بھاگو۔'' نفرت کی آواز کو اسلم اور انور نے بھی سنا۔

''ہاں، بھاگ جاؤ یہاں سے، واقعی تمھیں یہاں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔'' انور نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

.....☆.....

قید خانے میں بے ایمانی، غصہ اور جھوٹ نے فرار ہونے کا ارادہ کرلیا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے۔ غصہ، غصے میں بھرا قید خانے میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ قید خانے کی سلاخیں توڑ کر فرار ہو جاتے۔ تینوں سر جوڑے بیٹھے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ کوئی قید خانے میں داخل ہو رہا ہے۔ آنے والا اندھیرے سے روشنی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

(قید خانے میں آنے والا کون تھا؟ یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

شگوفے قارئین

☆ ایک دفعہ ایک چھوٹا جن ایک بچے کے پاس آیا اور اُسے ڈرانے لگا۔ بچے نے معصومیت سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

''میں جن کا بچہ ہوں۔'' جن نے فوراً جواب دیا۔

''اچھا تو تمھارے بارے میں ہی اعلان ہو رہا تھا کہ 'جن کا بچہ' ہے آ کر لے جائیں۔''

(اسد اسلم۔کراچی)

☆ ایک بچہ رو رہا تھا۔ بڑے بھائی باپ نے رونے کا سبب پوچھا تو بولا: ''پانچ روپے دیں، پھر بتاؤں گا۔''

بھائی نے جلدی سے پانچ روپے دیے اور کہا: ''بتاؤ کیوں رو رہے تھے؟''

''ان پیسوں کے لیے ہی رو رہا تھا۔'' چھوٹے بھائی نے چپ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

(زمل بنت یاسر۔کراچی)

☆ ماں (بچے سے): ''احسان! دیکھو، منا کیوں رو رہا ہے؟''

بچہ: ''امی میں مصروف ہوں۔''

ماں: ''ایسا کون سا کام کر رہے ہو؟''

بچہ: ''میں اس سے بسکٹ چھین کے کھا رہا ہوں۔''

☆ ایک ماہر نفسیات کسی اسکول کا معاینہ کرنے کے لیے گئے۔ وہ دوسری جماعت میں پہنچے تو اُنھوں نے بچوں سے کہا کہ وہ انھیں گنتی لکھوائیں۔

ایک بچہ نے ۱۷ کا ہندسہ لکھوایا تو ماہر نفسیات نے ۷۱ لکھ دیا۔ ایک لڑکے نے ۳۷ لکھوایا تو اُنھوں نے ۷۳ لکھ دیا، لیکن لڑکوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ ماہر نفسیات نے سوچا کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم صحیح نہیں ہے، اتنے میں ایک بچے نے کہا:

''آپ بہت چالاک بنتے ہیں، ذرا ۴۴ بھی تو لکھ کر دِکھایئے۔''

(محمد اسماعیل۔ٹھٹھہ)

☆ دو مزدور فرنیچر اُٹھا رہے تھے۔ یکایک سیٹھ نے دیکھا کہ ایک مزدور کپڑوں کی الماری اٹھاتے ہوئے پسینے سے شرابور ہو رہا ہے۔ اس نے کہا:

''میں نے کہا تھا کہ الماری اٹھانے میں اپنے ساتھی سے مدد لینا۔''

مزدور بولا: ''مدد تو وہ کر رہا ہے۔ وہ الماری کے اندر ہینگر سنبھالے کھڑا ہے۔''

(عبدالواحید۔ٹنڈو الہ یار)

☆ بچہ (دکان دار سے): ''تمھارے پاس سُوجی ہے؟''

دکان دار: ''جی ہاں۔''

بچہ: ''چینی ہے؟''

دکان دار: ہاں ہے۔''

بچہ (معصومیت سے): ''پھر آپ حلوہ بنا کر کیوں نہیں رکھتے۔''

(اشتیاق احمد۔کاغان)

☆ بڑا بھائی (چھوٹے بھائی سے): ''چین زیادہ دور ہے یا سورج؟''

چھوٹا بھائی: ''چین۔''

بڑا بھائی (حیرت سے): کیسے؟''

چھوٹا بھائی: ''سورج کو تو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ چین ہمیں نظر نہیں آتا۔''

(محمد اویس۔امریکا)

☆ ایک بے وقوف درخت پر چڑھا۔

بندر نے پوچھا: ''اوپر کیوں آئے ہو؟''

بے وقوف بولا: ''امرود کھانے۔''

بندر بولا: ''کر دی نا بے وقوفوں والی بات! یہ تو آم کا درخت ہے۔''

بے وقوف: ''کر دی نا بندروں والی بات! میں امرود ساتھ لے کر آیا ہوں۔''

(ماہین ذاکر۔ابوظہبی)

ندامت بندگی ہے

محمد اکمل معروف۔ حیدرآباد

راشد نے موٹر سائیکل گھر سے باہر نکال کر اسے اسٹارٹ کیا تو اُسے سامنے سے راحیل آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ راشد کو موٹر سائیکل پر بیٹھے دیکھ کر اُسی کی طرف چلا آیا۔ راشد نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو منہ ہی منہ میں بڑبڑایا:

''ہونہہ! مفتا آرہا ہے۔ اب ضرور کچھ نہ کچھ فرمائش کرے گا۔''

''کہاں جارہے ہو؟ اگر بازار تک جانے کا ارادہ ہے تو مجھے بھی لے چلو یار! کچھ وقت بچ جائے گا۔ مجھے بھی کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں۔'' راحیل نے عاجزی سے کہا۔

''بازار تو خیر میں جاؤں گا، مگر اُس سے پہلے مجھے اپنے دوست بابر کے پاس جانا ہے۔ بہتر ہے کہ تم ابھی پیدل ہی چلے جاؤ، مجھے کچھ دیر لگ جائے گی۔'' راشد نے بہانہ بناتے ہوئے جان چھڑانے کی کوشش کی تو راحیل گردن جھکائے آگے بڑھ گیا۔

راشد اور راحیل آپس میں پڑوسی تھے۔ راشد آٹھویں جماعت میں، جب کہ راحیل ساتویں میں پڑھتا تھا۔ راحیل کے والد ویلڈنگ کا کام کرتے تھے، چھوٹی سی دکان اور کام کم ہونے کی وجہ سے مالی مشکلات کا شکار تھے۔ ان کا گھر بھی بہت پُرانا ہونے کی وجہ سے خستہ حالت میں تھا۔ مالی طور پر کمزور ہونے کے باعث راحیل سرکاری اسکول میں پڑھتا تھا، جب کہ راشد ایک اچھے پرائیویٹ اسکول میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اس کے پاس نئے ماڈل کی موٹر سائیکل تھی، جس پر وہ اسکول جایا کرتا تھا۔ ان کا گھر بھی دو منزلہ اور خوب صورت بنا ہوا تھا۔ گھر میں ضرورت کی تمام اشیا موجود تھیں۔ ان سب آسائشوں کی فراہمی کی صرف ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ راشد کے والد کویت میں کام کرتے تھے اور عرصہ دس سال سے وہیں مقیم تھے، جب کہ وہ ہر ماہ ایک بھاری رقم گھر کے خرچے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ ہر سال ایک ماہ کی چھٹیوں پر وہ گھر آتے

اور پھر واپس کویت چلے جاتے تھے۔

''یار! اس مفتے نے بہت تنگ کیا ہوا ہے۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی فرمائش کرنے چلا آتا ہے۔ جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔'' راشد نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے ہوئے بابر سے کہا تو بابر زور سے ہنسا اور بولا: ''کون مفتا؟''

''بھائی! جب میں مفتا کہا کروں تو تم سمجھ جایا کرو کہ راحیل کا ذکر کر رہا ہوں۔''

''تم اسے صاف منع کر دو کہ تمھیں یہ سب پسند نہیں ہے۔'' وہ دونوں ایک دکان کے باہر رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

''کبھی کبھار مجھے اس سے اپنی پڑھائی کے سلسلے میں مدد لینی پڑتی ہے، اس لیے صاف نہیں کہہ سکتا، ورنہ تو کب کا رفو چکر کر دیا ہوتا۔ مجھ سے ایک جماعت پیچھے ہونے کے باوجود وہ پڑھائی میں اچھا ہے اور خاص طور پر اُس کی انگریزی بہت اچھی ہے، حالاں کہ سرکاری اسکول میں پڑھتا ہے۔'' راشد نے منہ بناتے ہوئے بابر کو بتایا۔

''اس کے ابا کیا کرتے ہیں؟ بابر نے پوچھا۔

''یار! ایک چھوٹی سی دکان ہے، ویلڈنگ کا کام کرتے ہیں۔ پانچ چھے سو تو کما ہی لیتے ہوں گے۔'' اس نے مزاحیہ انداز میں جواب دیا تو بابر ہنسنے لگا۔

بابر، راشد کا ہم جماعت تھا۔ اس کے والد ایک کام یاب تاجر تھے، اس لیے بابر کے گھریلو حالات بھی راشد کی طرح بہت اچھے تھے۔

''کبھی موٹر سائیکل پر کہیں جانے کی فرمائش کرتا ہے تو کبھی ہزار دو ہزار اُدھار مانگنے چلا آتا ہے۔ اس کے مطالبات ختم ہونے میں نہیں آتے۔'' راشد کے لہجے میں بے زاری تھی۔

دونوں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

.....☆.....

''راحیل! ذرا اِدھر آؤ۔'' راحیل کی امی نے اسے آواز دی تو وہ کتاب ایک طرف رکھ فوراً اُن کے پاس چلا آیا۔

''جی امی جان!''

''بیٹا! دکان پر اپنے ابا کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ شام کو کیا پکانا ہے، پھر اُن سے پیسے لے کر بازار سے پکانے کا سامان لیتے آنا۔'' انھوں نے کہا تو راحیل اپنے ابا کی دکان کی طرف چل پڑا، جو گھر سے کچھ فاصلے پر تھی۔

دکان پر اُس کے ابا صداقت علی ایک کرسی پر بیٹھے دکھائی دیے۔ دوپہر کے تین بجے کا وقت تھا۔ اس وقت ان کے فارغ بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ راحیل نے انھیں سلام کیا اور پھر اپنی ماں کا پیغام پہنچایا تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولے:

''دو دِن سے کوئی کام نہیں ملا۔ ابھی تمھاری ماں کو بولو کہ کچھ دیر اِنتظار کرے، پیسے ہاتھ میں آئیں گے تو میں کھانے پکانے کا سامان کسی کے بھی ہاتھ بھجوا دوں گا۔''

''ٹھیک ہے ابا جان!'' یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے پلٹا، پھر رک کر بولا: ''ابا جی! اگر آپ اجازت دیں تو شام کے وقت دو تین گھنٹے کے لیے آپ کے پاس آ کر کام سیکھ لیا کروں۔''

''ارے نہیں بیٹا! تم اپنی توجہ صرف اپنی پڑھائی پر دو۔ ویسے بھی دکان میں آج کل کام برائے نام ہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پڑھ لکھ کر کسی اچھے عہدے پر فائز ہو جاؤ۔'' ان کی بات سن کر راحیل نے خاموشی سے گردن جھکائی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

.....☆.....

راشد موبائل پر اپنے والد سے باتیں کر رہا تھا۔ جب اس کے ابا نے اسے یہ بتایا کہ ایک ہفتے بعد وہ چھٹیوں پر پاکستان آ رہے ہیں تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ ''ارے واہ! سچ ابو! مزہ آ گیا۔ آپ کی واپسی کا ہمیں شدت سے اِنتظار رہے گا۔ اور ہاں، میرے لیے نیا لیپ ٹاپ لانا نہ بھولیے گا۔'' دوسری طرف کی بات سن کر وہ خوش ہو گیا۔ ابو کو ہولڈ کروا کر اُس اپنی والدہ کو آواز دی: ''امی! ابو کی کال ہے۔ آ کر بات کر لیں۔ وہ اگلے ہفتے گھر آ رہے ہیں۔'' اس کی آواز سُن کر اس کی والدہ دوڑی چلی آئیں۔ شوہر کی واپسی کا جان کر وہ بھی بہت خوش ہو گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد کال ختم ہوگئی تو دونوں ماں بیٹا آپس میں شوکت صاحب کے استقبال کی تیاری کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

.....☆.....

راشد کے ابو شوکت صاحب نے گھر میں رہتے ہوئے چند دِن میں اس بات کا اندازہ لگالیا کہ راشد کے رویے میں کچھ کچھ گھمنڈ اور تکبر پایا جاتا ہے۔ اپنے والدین کے ساتھ تو اُس کا رویہ بہت اچھا ہے، مگر مالی طور پر کمزور افراد سے بات کرتے ہوئے وہ بہت زیادہ روکھے پن اور بے مروتی سے کام لیتا ہے اور خاص طور پر راحیل سے پڑھائی میں مدد لینے کے باوجود اُسے حقیر سمجھتا ہے۔ انھیں اس بات کا بھی احساس ہوگیا تھا کہ باہر ملک میں رہ کر جو پیسے وہ گھر بھیجتے رہے ہیں ان کی بدولت گھر میں آرام و آسائش کی اشیا اور سہولیات کی فراوانی سے ان کے بیٹے کی عادات میں کچھ بگاڑ پیدا ہوگیا ہے۔

ایک روز جب کہ راشد اِسکول سے گھر واپس آیا تو اُس نے گلی میں اپنے ابو کو راحیل کے والد صداقت علی سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھا۔ کچھ دیر میں شوکت صاحب گھر میں داخل ہوئے تو راشد نے انھیں سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر اُنھوں نے اسے اپنے پاس بلایا اور قریب بٹھا کر بولے:

''راشد بیٹا! صداقت صاحب کے گھریلو حالات تو بہت خراب ہیں، ان کا کام بالکل نہیں چل رہا۔ کیا تم نے اس سلسلے میں کبھی راحیل سے کوئی بات کی؟ اس کی کچھ مدد کی؟

''ابو یہ تو اپنی اپنی قسمت اور اپنا نصیب ہے۔ اس کے والد کو چاہیے کہ وہ کوئی ڈھنگ کا کام کریں، تاکہ ان کے گھریلو حالات بھی بہتر ہوسکیں۔ وہ آئے دن مجھ سے ضرورت کی چیزیں مانگتا رہتا ہے۔'' راشد نے منہ بناتے ہوئے کہا تو اُس کے والد بولے:

''دیکھو بیٹا! بے شک اللہ پاک نے سب کی قسمت اور نصیب جدا جدا بنائے ہیں، تاکہ مختلف انداز میں سب کی آزمائش ہوسکے، مگر اُس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ تاکید بھی کی ہے کہ ہم اپنے اردگرد موجود کمزور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اگر ہماری حیثیت ان سے بہتر ہے تو اُن کا خیال رکھیں اور پھر سب سے زیادہ تو پڑوس اور قرابت داروں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ پیارے نبی ﷺ نے پڑوسیوں کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ تمھیں تمھارے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔'' (بخاری)

وہ کچھ دیر کے لیے رکے اور پھر گویا ہوئے:

''بیٹا! تم تین چار سال کے تھے جب میں کویت چلا گیا تھا، اس لیے تمھیں کچھ حقائق کا علم نہیں ہے۔ تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ تمھارا باپ کویت میں کیا کام کرتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کے لیے رکے اور پھر سے گویا ہوئے:

''تم جس کام کو حقیر سمجھتے ہو تمھارا باپ بھی باہر ملک میں وہی کام کر رہا ہے۔ میں بھی کویت میں ویلڈنگ کا کام کرتا ہوں۔ دونوں کا کام ایک جیسا ہے، فرق صرف کرنسی کا ہے۔ کویت میں اس کام کے اچھے پیسے ملتے ہیں اور کرنسی کے فرق سے وہ رقم لاکھوں روپوں میں تبدیل ہوجاتی ہے، جب کہ یہی کام راحیل کے ابو کرتے ہیں، مگر پھر بھی غربت کا شکار ہیں۔ تم انھیں حقیر سمجھتے ہو، کیوں کہ تمھیں اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ یہ ہنر میں نے راحیل کے والد صداقت علی سے ہی سیکھا تھا۔''

وہ خاموش ہوئے تو راشد کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسے آج پتا چلا کہ جس کام کو وہ کم تر سمجھتا رہا پردیس میں وہی کام اس کے والد بھی کرتے ہیں اور اِسی کام سے حاصل کردہ پیسوں سے وہ عیش کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

''ابا جان! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں آئندہ کبھی کسی کے ساتھ حقارت کا رویہ اختیار نہیں کروں گا۔ میں راحیل اور اُس کے ابو سے بھی معافی مانگ لوں گا۔''

اس کے لہجے سے اس کی ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔ شوکت صاحب محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے اور بولے:

''بیٹا! ندامت کے آنسو بندے کے گناہوں کو ایسے دھو دیتے ہیں جیسے کہ کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے، مگر ندامت ہی اصل بندگی ہے۔''

پھر آگے بڑھ کر اُسے گلے لگالیا۔

رَیّان

صدف جاوید۔ کراچی

''واہ! کتنی منفرد اور انوکھی جگہ ہے۔'' ریان بولا۔

''ہاں یار! ایسا لگتا ہے کہ جنت زمین پر آ گئی ہے۔'' حاشر نے اس کی تائید کی۔

''جب باہر کا نظارہ اتنا خوب صورت ہے تو اندر کا منظر کس قدر دل کش ہوگا۔''

ریان ابھی تک اس جگہ کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے؟ آج افطاری یہیں کی جائے؟''

حاشر نے پوچھا۔

''میں تم سے

ابھی یہی کہنے والا تھا۔'' ریان نے

جواب دیا۔

''تو پھر چلو۔'' حاشر نے کہا اور اندر جانے لگا،

لیکن دربان نے ریان کو روک لیا۔

وہ حیران و پریشان تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

اچانک اسے آپی نظر آئیں۔

''آپی!'' اس نے آواز دی اور اُن کے پیچھے لپکا۔

مگر وہ ہنستی کھلکھلاتی سہیلیوں کے ہمراہ اندر چلی گئیں۔

اسے چھوڑ کر جانے پر ریان کو اُن پر غصہ آنے لگا۔

پھر اُسے امی ابو دکھائی دیے۔ اس نے بھاگ کر جلدی سے امی کا آنچل تھام لیا۔

لیکن دربان نے دوبارہ اسے اندر جانے نہیں دیا۔

امی ابو بھی اسے دیکھ کر نظر انداز کر کے اندر چلے گئے۔

''تم سب کو جانے دے رہے ہو، لیکن مجھے کیوں روک رکھا ہے؟''

وہ دربان پر برس پڑا۔

اس نے کوئی جواب دیے بغیر دروازے کے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

دروازے کے اوپر سنہری حروف میں لکھا تھا ''صرف خاص لوگوں کے لیے۔''

ابھی وہ اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکا معمولی کپڑے اور ٹوٹی چپل میں وہاں آیا۔ دربان نے اس کا استقبال کیا۔

''دوست! یہ ''بابِ ریان'' ہے۔ صرف روزے داروں کے لیے۔''

وہ لڑکا اندر جاتے ہوئے گویا ہوا۔

.....☆.....

ٹوں.....ٹوں.....ٹوں.....الارم بجنے لگا۔

ریان ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

''اوہ! تو یہ خواب تھا!''

وہ سحری کے وقت الارم بجنے پر اُسے بند کر کے سو جاتا تھا اور اُٹھائے جانے پر مشکل سے بیدار ہوتا تھا۔

مگر اَب کایا پلٹ چکی تھی۔ اسے جنت میں رب کا خصوصی مہمان بننا تھا۔

حدیث شریف:

''جنت کا ایک دروازہ ہے، جس کا نام ''ریان'' ہے۔ قیامت کے دن اس دروازے سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ ان کے سوا کوئی اور اُس دروازے سے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔''

(مشکوٰۃ شریف)

یاد

تہنیت افتخار۔ لاہور

میں ایک یاد ہوں۔ میری تخلیق انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی اور میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہوں۔

مجھے مختلف رنگوں سے مزین کیا گیا ہے۔ مجھے ہمارے مالک اللہ تعالیٰ نے بڑی محبت سے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، اس پر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ مجھے خوشی، غمی، نصیحت، عبرت اور خوش گوار لمحات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ کبھی میں کسی کے خیال میں آکر اُس کے لبوں پر مسکراہٹ کا ذریعہ بنتی ہوں اور کبھی کسی کی آنکھوں میں نمی بھر دیتی ہوں۔ مجھے اس وقت بہت خوشی ہوتی ہے جب کوئی مشکل وقت میں میرے اندر محفوظ نصیحت کو یاد کرتا ہے، اس طرح میں اس کے لیے خوش گوار لمحہ بن جاتی ہوں۔

مجھے بوڑھوں سے خاص لگاؤ ہے، چوں کہ وہ مجھے اکثر یاد کرتے ہیں اور میرے اندر محفوظ اپنے تجربات سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں، مگر افسوس کہ بہت کم لوگ ان تجربات پر غور کرتے ہیں۔

مجھے بچوں سے بہت محبت ہے، خاص کر تب بہت پیار آتا ہے جب انھیں مجھے یاد رکھنے کا کہا جاتا ہے اور وہ بھول کر معصوم صورت بناتے ہیں۔

میں بھی زندگی کی طرح کبھی کسی کے لیے پھولوں کی سیج اور کبھی کانٹوں کی مالا بن جاتی ہوں۔ میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں آتے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو مسکرا کر دیکھ رہے ہیں تو میں بھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھتی ہوں۔

غرض، میں ہر لمحہ ماضی ہوتی جاتی ہوں اور یادوں کی دہائی کو لمبا کرتی جاتی ہوں۔ میں انسانوں کی تنہائی کی دوست ہوں اور اکثر اُن کی سوچ بدلنے میں ان کی مدد کرتی ہوں۔ میں اعمال کی پیشی کے وقت بھی پیش کی جاؤں گی، اس لیے میں تمام انسانوں سے گزارش کروں گی کہ وہ اپنے اعمال بہترین بنالیں، تاکہ میں اس روز سرخ رو ہوسکوں۔ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو محنت کر کے مجھے سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حسن سلوک

عیشا صائمہ۔ راول پنڈی

عروبہ اور ماہم، دونوں سہیلیاں تھیں۔ ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

آج جب ماہم عروبہ کے گھر کھیلنے گئی تو اُس نے دیکھا کہ عروبہ کی والدہ بار بار اُسے بلا رہی ہیں، لیکن وہ ان کے پاس جانے اور اُن کی بات سننے کی بجائے مسلسل کھیل میں مصروف رہے۔

کئی مرتبہ ماہم نے اس سے کہا: ''عروبہ! آپ کی امی آپ کو بلا رہی ہیں، ان کی بات سن لو۔''

لیکن عروبہ نے جیسے ماہم کی بات ہی نہیں سنی۔

ماہم نے کچھ دیر کے بعد پھر عروبہ کو احساس دلایا۔

لیکن عروبہ نے جب اسے جھڑکا تو وہ بولی:

''کیا آپ کو میری بات بُری لگی ہے عروبہ!؟

آپ میری دوست ہو، میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی امی کا کہنا مانو۔

میں تو اپنی امی کی ہر بات مانتی ہوں اور اپنی ہر بات نہ صرف اپنی امی کو بتاتی ہوں، بل کہ بہت سے کاموں میں ان سے مشورہ بھی لیتی ہوں۔''

''تو میں کیا کروں؟'' عروبہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

ماہم کہنے لگی: ''میں تو آپ کے گھر آتی ہوں تب بھی والدہ کو بتا کر آتی ہوں۔

مجھے تو اپنی امی بہت اچھی لگتی ہیں۔''

عروبہ کو خاموش دیکھ کر وہ پھر بولی:

''کیا آپ کسی بات پر اپنی امی سے ناراض ہو؟''

عروبہ بولی: ''میں صبح باورچی خانے میں گئی تھی اور کام کے شوق میں مجھ سے گلاس ٹوٹ گیا تھا، جس کی وجہ سے مجھے امی نے ڈانٹا تھا۔''

ماہم مسکرانے لگی: ''اتنی سی بات پر آپ اپنی امی سے ناراض ہوگئیں!

یقیناً امی نے آپ کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے تھوڑا غصہ کیا ہوگا۔ ویسے آپ کو اکیلے باورچی خانے میں جانا بھی نہیں چاہیے تھا۔ اس گلاس کے ٹکڑے اگر آپ کے لگ جاتے تو..... اسی لیے انھوں نے منع کیا ہوگا کہ آئندہ باورچی خانے میں ایسے نہ آنا۔

انھوں نے تو آپ کے بھلے کی بات کی تھی، پھر آپ ان سے کیوں ناراض ہوگئیں؟

ہمارے دین میں تو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا کہا گیا ہے۔

اس لیے ہمیں اپنے امی ابو، دونوں سے اچھے طریقے سے بات کرنی چاہیے اور اُن کی ہر بات ماننی چاہیے۔''

ماہم نے عروبہ سے کہا: ''آؤ، اندر چلتے ہیں۔ آپ اپنی امی سے معافی مانگو اور اُن سے وعدہ کرو کہ آپ آئندہ انھیں تنگ نہیں کروگی۔''

ماہم اسے لیے اس کی امی کے پاس گئی۔

عروبہ نے اپنی امی سے کہا: ''پلیز امی! مجھے معاف کردیں۔

میں آئندہ آپ کی ہر بات مانوں گی اور کبھی آپ کو تنگ بھی نہیں کروں گی۔

امی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

اور ماہم سے کہا: ''بہت شکریہ بیٹی! آپ جیسی دوست ہر کسی کی ہونی چاہیے، جو دوسروں کو صحیح راہ دکھا سکے۔

مجھے آپ پر بھی فخر ہے۔

میں نے آپ دونوں کی گفتگو سن لی تھی جب میں عروبہ کو بلانے آئی تھی۔''

ماہم یہ سن کر مسکرانے لگی اور بولی: ''بہت شکریہ آنٹی! میں بھی تو آپ کی بیٹی ہی ہوں۔''

راحیلہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''ایسی سعادت مند بیٹی اللہ تعالیٰ سب کو دے۔''

عروبہ جھٹ سے بولی: ''آج سے میں بھی آپ کی سعادت مند بیٹی بنوں گی۔'' عروبہ کی بات سن کر راحیلہ نے اسے پیار سے گلے لگالیا۔

مزدور کی مزدوری

محمد مبشر عطاری۔ شیخوپورہ

''جی ٹھیک ہے جناب! کچھ دن کے اندر میرا بندہ آپ تک پہنچ جائے گا، آپ دستخط کر کے معاہدہ تحریری طور پر مکمل کر دیجیے گا۔'' ایک طویل گفتگو کے بعد جب شہروز نے یہ جملہ سنا تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جی بہت شکریہ سر!'' شہروز کی خوشی دیدنی تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ معاہدہ آپ کی کمپنی (تجارتی ادارے) کے لیے کافی سودمند ثابت ہوگا۔'' دوسری جانب سے دل پسند کلمات ادا کیے گئے اور پھر کال ختم ہوگئی۔

شہروز ''ٹائیگر پینٹس'' کمپنی کا مالک تھا۔ اس کمپنی میں لگ بھگ ایک ہزار لوگ کام کرتے تھے، جو کہ دن اور رات کی باری میں منقسم تھے۔ کمپنی کو بنے قریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

''کیا یہاں ہر مرتبہ ایسا ہی کیا ہوتا ہے؟'' شاہ نواز نے اپنے ایک ساتھی مزدور رمضان احمد سے دریافت کیا۔ دراصل اسے فیکٹری میں آئے محض کچھ ہی عرصہ ہوا تھا اور اُسے ابھی پہلی تنخواہ نہیں ملی تھی، جب کہ حالیہ مہینا اپنی دس تاریخ کو پہنچ چکا تھا۔

''کیا مطلب؟ کیسا؟ اچھا تنخواہ وغیرہ کا معاملہ! ویسے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تنخواہ میں تاخیر ہوئی ہو۔'' رمضان احمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''نہ جانے کیا معاملہ ہے۔'' شاہ نواز نے خود کلامی کے عالم میں کہا اور دوبارہ کام میں مصروف ہوگیا۔

.....☆.....

''سر! اس ماہ تنخواہ میں تاخیر نہیں ہوگئی!؟ ۱۳ تاریخ ہوچکی ہے۔'' شہروز کے نائب علی رضا نے اُسے تنخواہوں کی جانب توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

''شاید اس ماہ ہم تنخواہ نہ دے پائیں۔'' شہروز نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور علی رضا کو بتانے لگا۔

''کیا مطلب سر!؟'' علی رضا نے تشویش کا اظہار کیا۔

''مطلب سیدھا سادا سا ہے۔'' وہ مسلسل علی رضا کے تجسس کی حس کو ہوا دے رہا تھا۔

''سر! میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔'' علی رضا نے عاجز آ کر کہا تو شہروز بولا:

''دراصل میں ذوالفقار صاحب کی کمپنی کے ساتھ حتمی معاہدہ کر چکا ہوں، جس سے ہمارے ادارے کو بے پناہ فوائد حاصل ہوں گے۔''

''یہ تو خوش آئند بات ہے۔'' علی رضا کافی حد تک پُرسکون ہو چکا تھا۔ ''اس معاہدہ کے لیے ہمیں کثیر رقم درکار ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ ہم اس ماہ ملازمین کو تنخواہیں نہیں دیں گے۔'' شہروز نے وضاحت کی۔

''تو ٹھیک ہے سر! لیکن ملازمین اگر مجھ سے تنخواہ کے بارے میں پوچھیں تو میں کیا کہوں؟'' علی رضا نے ایک اور سوال جڑ دیا۔

''ٹال مٹول کرتے رہنا، بس اس ماہ کے لیے انھیں روک کر رکھو اور اگر نہیں مانیں تو مجھے منوانا بخوبی آتا ہے۔'' شہروز نے چالاکی سے کہا تو علی رضا عجیب سوچوں کا شکار دفتر سے باہر چلا گیا۔

.....☆.....

''سر! میری مجبوری کو سمجھیے۔ میرا تعلق کسی متوسط گھرانے سے نہیں ہے اور میں اپنے گھر کا واحد کفیل ہوں، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ مجھے میری تنخواہ جلد از جلد دے دیں، تاکہ میرے گھر والے فاقوں کا شکار نہ ہوں۔'' ملازم نعمان حیدر تنخواہ کے حوالے سے سنجیدہ تھا، اس لیے اُس نے شہروز سے براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''جاؤ، کوئی تنخواہ نہیں ہے۔'' شہروز، ذوالفقار صاحب کے بندے کے نہ پہنچنے پر پریشان تھا، اس لیے وہ اچانک برہم ہوگیا۔ ''اب جاتے ہو کہ ملازمت سے فارغ کروں؟'' شہروز کا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا۔ نعمان حیدر کئی سوچوں اور اُداس چہرہ لے کر دفتر سے باہر آ گیا۔

ابھی کچھ ہی منٹ ہوئے تھے کہ شہروز کو اِطلاع ملی کہ ذوالفقار صاحب کا بندہ معاہدے پر دستخط کروانے کے لیے پہنچ چکا ہے۔ اس نے اسے اندر بلا لیا۔ اس شخص کا نام قاسم تھا۔ قاسم سے سلام دعا کے بعد شہروز نے اس سے فائل مانگی۔ ''سر! یہ فائل ہے اور اس کے پہلے صفحے پر ایک معاہدہ نامہ ہے، اسے پڑھ کر نیچے دستخط کر دیجیے۔'' قاسم نے شہروز کو فائل دیتے ہوئے کہا۔

''مزدور کا پسینا خشک ہونے سے پہلے اُس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔''

(حدیث نبوی ﷺ)

صفحہ کے آغاز میں کمپنی کے لوگوں کے ساتھ جب شہروز نے یہ جملہ پڑھا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ ''پسینا خشک ہونے سے پہلے'' اُس نے حدیث مبارک کے الفاظ دہرائے۔

''اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزدور کو اُس کی اجرت وقت پر اَدا کر دینی چاہیے۔'' قاسم نے شہروز کو گھبرایا ہوا دیکھا تو وضاحت کی۔

''جی، مجھے یہ معاہدہ منظور نہیں۔'' شہروز نے فائل کو قاسم کی طرف سرکاتے ہوئے کہا، جیسے وہ اپنی ذات ہی سے شرمندہ ہو اور پھر قاسم وہ بلا دستخط فائل ہی ساتھ لے گیا۔ شہروز نے حدیث مبارک پر عمل کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا، لہٰذا اَب وہ یہ معاہدہ نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ اب اسے ملازمین کو اُن کی تنخواہیں دینی تھیں۔

سوال آدھا، جواب آدھا ۳۰ کے

درست جوابات

1. سورۂ رعد۔
2. 86 سال۔
3. یہ نظریہ بھی ابن الہیثم نے پیش کیا تھا۔
4. اَیڈُو۔
5. کوئٹہ۔
6. رَگبی (جوفٹ بال کی ایک قسم ہے)۔
7. کارڈیولوجسٹ (Cardiologist)۔
8. خاموش رہنے سے بہت سے سُکھ مِل جاتے ہیں۔

اِنک ریموور

حمیرا شہزادی۔ ساہیوال

''ان الحسنات یذھبن السیئات''

ترجمہ: ''بے شک نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

(سورۂ ھود: ۱۱۴)

احمد صاحب نے تختۂ سفید پر اپنی خوب صورت لکھائی میں آیت مبارکہ مع ترجمہ لکھی اور بچوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا آپ جانتے ہیں کہ نیکیاں گناہوں کو کس طرح مٹاتی ہیں؟''

اس سے پہلے کہ بچے کوئی جواب دیتے انھوں نے ایک بچے عبدالودود کو دو گلاسوں میں پانی لانے کا کہا۔

احمد صاحب نہم جماعت کے اسلامیات کے استاد تھے۔ چند دِن قبل ہی ان کا تبادلہ شہر کے ایک اسکول میں ہوا تھا۔ وہ ایک نفیس شخصیت کے مالک تھے۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور نرم مزاجی سے گفتگو کرتے۔ جلد ہی اسکول کے تمام اساتذہ اور طلبہ ان کی مسحور کن شخصیت کے دل دادہ ہو چکے تھے۔ نہم جماعت کے طلبہ بطورِ خاص ان کے دورانیہ کا انتظار کرتے، کیوں کہ وہ نہ صرف ایک اچھے استاد تھے، بل کہ بہترین ناصح بھی تھے۔ طلبہ کی نصاب سے ہٹ کر بھی تربیت کرتے، مثالوں سے ہر بات واضح کرتے اور کبھی کبھی عملی طور پر بھی سمجھاتے، تاکہ بچوں کے ذہنوں میں اچھی طرح نقش ہو جائے۔ آج وہ نیکیوں کی اہمیت اور گناہوں کی نحوست کے بارے میں سبق دے رہے تھے۔

پانی سے بھرے دونوں گلاس میز پہ موجود تھے۔ احمد صاحب نے نیلی روشنائی والا قلم طلب کیا اور روشنائی کے دو تین قطرے ایک گلاس میں ڈالے تو پانی گدلا ہو گیا، پھر اُنھوں نے تین چار قطرے اور ڈالے تو پانی کا رنگ ہلکا نیلا ہو گیا، پھر اُنھوں نے مزید آٹھ دس قطرے ڈالے تو پانی کا رنگ گہرا نیلا ہو گیا، جب کہ دوسرے گلاس میں موجود پانی بالکل صاف شفاف تھا۔ انھوں نے بتایا کہ گناہ کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ جب ہم ایک گناہ کرتے ہیں تو دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر فوری طور پہ توبہ و اِستغفار کا کر کے اسے نہ دھوئیں اور ایک کے بعد دوسرا گناہ کر لیں تو دل میلا ہوتا رہتا ہے، حتی کہ سیاہ ہو جاتا ہے، جب کہ دوسرا گلاس صاف دل کی مثال ہے، جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پوری جماعت سے مخاطب ہوئے:

بقیہ صفحہ نمبر: 51 پر

مریم شہزاد۔ کراچی

''السلام علیکم!'' سارا نے چچا کے گھر میں داخل ہو کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' چچی نے جواب دیا۔

''چچی! عائشہ کہاں ہے؟ آپ نے اسے بتایا تو نہیں نا میرے آنے کا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''نہیں، نہیں بتایا، وہ اپنے کمرے میں ہی ہے۔ تم جاؤ اور حیران کر دو اُسے۔'' چچی نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی عائشہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹا کر ایک طرف ہو گئی۔ عائشہ نے اندر سے ہی کہا:

''کون؟'' مگر کوئی جواب نہ پا کر باہر آئی تو سارہ نے ایک دم ڈرا دیا۔ عائشہ ایک دم اچھل پڑی۔

''تم..... تم کہاں سے ٹپک پڑیں اچانک!؟''

''اچانک نہیں محترمہ! مکمل پروٹوکول کے ساتھ آپ کے گھر دو دن کے لیے مابدولت تشریف لائی ہیں۔''

''اوہو، زہے نصیب! ہمارے بھی نصیب جاگ گئے! آج سارہ صاحبہ کی سواری ہمارے آنگن میں، واہ کیا کہنے! چلو اندر آؤ سارہ کی بچی.....'' عائشہ نے اس کی عزت افزائی کی۔

اور پھر پورا دِن ان کی باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہا۔

''تم سونے سے پہلے چادر جھاڑو گی نہیں؟'' سارہ نے عائشہ سے پوچھا، جو سونے کے لیے بستر پر لیٹ رہی تھی۔

''کیوں؟ بالکل صاف تو ہے بستر، پھر کیوں جھاڑوں؟'' عائشہ نے حیرت سے کہا۔

''اس لیے کہ بستر جھاڑ کر سونا سنت ہے، میری امی تو ضرور یہ کام کرواتی ہیں۔'' سارا نے بتایا۔

''اچھا۔'' عائشہ نے چند لمحے سوچا اور ایک چادر اُٹھاتے ہوئے کہا: ''چلو تم کہتی ہو تو جھاڑ لیتی ہوں۔''

چادر سے عائشہ نے بستر جھاڑا، پھر دونوں لیٹ کر باتیں کرنے لگیں۔

''ویسے تم آج کچھ زیادہ ہی نہیں بدل گئیں کہ بیٹھ کر پانی پیو، سیدھے ہاتھ سے سب کام کرو، وغیرہ وغیرہ۔'' عائشہ نے کہا۔

''تمھیں پتا ہے، مجھے بھی بڑی چڑ ہوتی تھی کہ یہ کیا بات ہوئی، پھر ایک دن ایک چھوٹی سی کتاب امی نے دی کہ یہ پڑھ لینا، میں نے دیکھا تو کتاب کا نام تھا ''سو سنتیں''۔ اس وقت تو میں نے امی کو کہہ دیا کہ اچھا پڑھ لوں گی، مگر پھر میں نے سوچا کہ اگر پڑھ لی تو پتا نہیں کتنے مشکل مشکل کام کرنے پڑیں گے، لہٰذا میں نے وہ کتاب چھپا دی اور امی سے جھوٹ کہہ دیا کہ پتا نہیں، میں رکھ کر بھول گئی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''اچھا کیا، پتا نہیں یہ امی لوگ سمجھتی ہی نہیں، ابھی تو ہماری عمر مزے کرنے کی ہے، ان پر بھی عمل.....'' عائشہ نے کہا۔

''آگے تو سنو، میرا بھی یہ ہی خیال تھا۔'' سارہ، عائشہ کی بات کاٹ کر بولی۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ ایک دن ایک کتاب ڈھونڈھتے ہوئے ''سو سنتیں'' پھر ہاتھ میں آ گئی تو میں نے سوچا کہ چلو دیکھ لیتی ہوں، ایک دو پر تو عمل کر ہی لوں گی، مگر پتا ہے اس میں کیا تھا؟'' سارہ نے تجسس پھیلایا۔

''کیا تھا؟'' عائشہ بھی اٹھ بیٹھی۔

''ہمارے روزمرہ زندگی کے کام، جو باتیں امی، ابو یا نانی، دادی بچپن سے ٹوکتے یا سکھاتے آ رہی ہیں۔'' سارہ نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ'' سارا مزے لے کر بولی: ''بیٹھ کر پانی پینا، کھانے سے پہلے دعا پڑھنا، کھانے کے بعد دعا پڑھنا، رات کو سوتے وقت دعا پڑھنا، صبح اٹھنے کی دعا پڑھنا، بیت الخلا جانے کی دعا پڑھنا، گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کی دعا پڑھنا، لباس۔ کپڑے وغیرہ پہنتے وقت پہلے سیدھے ہاتھ یا پاؤں میں پہننا وغیرہ۔ اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے کام جو ہمیں بچپن سے سکھائے جا رہے ہیں، وہ سب سنتیں ہیں۔ اِسی طرح کی اور بہت سے کام۔''

''ہائیں! کیا واقعی!؟'' عائشہ حیران رہ گئی۔

''ہاں ں ں..... اور کیا! میں تو خود حیران رہ گئی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے بزرگ ہمیں بچپن سے ہی ان سب کی عادت ڈال دیتے ہیں اور ہمیں پتا ہی نہیں چلتا کہ ہم سنتوں پر عمل کر رہے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''ہاں، کچھ باتیں ایسی تھیں جو مجھے نہیں معلوم تھیں کہ جیسے یہ بستر جھاڑنا یا رات کو وضو کر کے سونا یا ایک دو باتیں اور، وہ اس کتاب کو پڑھ کر معلوم ہو گئیں۔''

''یہ تو بہت آسان بات ہے۔ ہم پتا نہیں کیوں اتنا گھبراتے ہیں کہ دین پر چلنا کتنا مشکل ہے۔'' عائشہ نے بھی تائید کی۔

''ویسے دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے سے ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔'' سارہ نے کہا، پھر دونوں نے اٹھ کر وضو کیا، سونے کی دعائیں پڑھ کر سنت طریقے پر سیدھی کروٹ پر سونے کے لیے لیٹ گئیں۔

بقیہ: اِنک ریموور

''سب کو بات سمجھ آ گئی ہے؟''

''جی سر!''

کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو پوچھ سکتا ہے۔

''سر! دل کی سیاہی ختم کیسے کی جا سکتی ہے؟'' ابرار نے استفسار کیا۔

''شاباش بیٹا! آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ جس طرح آپ غلط لکھے ہوئے کو مٹانے کے لیے انک ریموور کا استعمال کرتے ہیں بالکل اسی طرح دل کی سیاہی مٹانے کے لیے اِستغفار اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اِنک ریموور کا کام دیتا ہے۔

گناہوں کی سیاہی کا اثر ختم کرنے کے لیے دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نیکیوں سے صاف کرنا پڑتا ہے، اس طرح دل پر گناہوں کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ آہستہ آہستہ گناہوں کے داغ ختم ہو کر دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔''

طلبہ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ چکی تھی۔ انھوں نے آئندہ نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کا عزم کیا۔

اتنے میں اگلے دورانیے کی گھنٹی بجی اور احمد صاحب جماعت کو سلام کر کے باہر کی جانب چل دیے۔

تاریخ ساز فیصلہ

دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا

سلطان کی تخت نشینی کو آٹھ سال ہوئے تو اُس کے ساتھ ہی سن آٹھ سو ہجری کا آغاز ہوگیا۔ اہل دربار نے سلطان کی خدمت میں پیش ہوکر عرض کیا کہ آپ کی حکومت کے آٹھ سال اور ہجری سن کی آٹھ صدیوں میں آٹھ کا مشترک ہندسہ آپ کے لیے ایک اچھا شگون ہے۔ اس مناسبت پر عوام وخواص کو جشن منانے کی اجازت دی جائے۔

حکمراں نہایت زاہد، متقی اور صاحب عدل شخص تھا۔ وہ ہر قسم کے منکرات اور فواحش سے خود بھی بچا ہوا تھا اور اپنی رعایا کو بھی بچانے کی فکر کرتا تھا، لیکن حکومت کے آٹھویں سال دربار کے وزیروں، امیروں وغیرہ نے زیادہ اصرار کیا تو اُس نے ایک محدود دائرے میں رہتے ہوئے جشن منانے کی اجازت دے دی۔

خوش حال رعایا نے دل کھول کر خوشی کا اظہار کیا۔ پوری سلطنت میں چراغاں ہوا۔ عوام وخواص نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق تقریبات منعقد کیں اور کھیلوں کا بھی اہتمام کیا۔ جشن کے دوران میں ایک شخص سلطان کے داماد کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ شاہی خاندان کے ایک رکن کی حیثیت سے اس قتل کی اطلاع سلطان کو دی گئی۔ سلطان کے دربار سے حکم جاری ہوا کہ قاتل کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے، سلطان کا داماد ہونے کی وجہ سے اس کی جاں بخشی نہیں ہوسکتی۔ اسلامی احکام کے تحت امیر اور غریب سب برابر ہیں، شرعی قانون ان میں کسی امتیاز کی اجازت نہیں دیتا۔

قاضی وقت کی عدالت میں سلطان کے داماد کو پیش کیا گیا۔ عدالتی کارروائی اور عینی شاہدین کی گواہی نے اسے قاتل ثابت کر دیا۔ قاضی نے خاندان شاہی کے ایک فرد کی جان کو قیمتی سمجھ کر مقتول کے ورثا کو بائیس اشرفیوں کے عوض یا خون بہا پر راضی کر لیا۔ وارثوں کے راضی نامے کے ساتھ مقدمے کی کارروائی حتمی منظوری کے لیے سلطان کی خدمت میں بھیج دی گئی، جس میں درج تھا کہ پوری تحقیق وتفتیش اور گواہوں کے بیانات سے ملزم کا قاتل ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ قانونِ شریعت کی رو سے ملزم قصاص کا مستحق ہے، لیکن مقتول کے ورثا اس کی سزائے موت کے بجائے خون بہا پر راضی ہو گئے ہیں۔ ان کی مرضی سے قاتل کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ مقتول کے وارثوں کو بائیس اشرفیاں بطورِ خون بہا ادا کرے۔ مقدمے کی کارروائی سلطان کی منظوری کے لیے پیش خدمت ہے۔

انصاف پسند اور رعایا پرور سلطان نے مقدمے کی کارروائی اور فیصلے کی عبارت پڑھی تو اُسے صاف محسوس ہوا کہ ملزم کے شاہی داماد ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اور خون بہا کی رقم بھی اسی لیے بہت کم رکھی گئی ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر: 54 پر

میٹھے رشتے

مریم ملک۔ کراچی

چنو چڑیا روزہ افطار کرتے ہی اپنے پَر پھیلائے درخت کی ٹہنی کی جانب اڑتی چلی آئی اور اپنے دائیں ہاتھ کو آنکھ سے ذرا اُوپر رکھے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو کھول کر آسمان پر نظریں دوڑانے لگی۔

''چنو چڑیا! چاند نظر آیا؟'' منو چڑیا، چنو چڑیا کو آسمان پر ٹکٹکی باندھا دیکھ کر اُڑ کر اُس کے پاس آئی۔

''وہی دیکھ رہی ہوں کہ شاید نظر آجائے۔'' چنو چڑیا آسمان پر نظریں جما کر بولی۔

''تم نے عید کے کپڑے بنوالیے کیا؟'' منو چڑیا نے ایک اور سوال کیا۔

''نہیں بھئی، میرے پاس بہت سے کپڑے ہیں، وہی پہن لوں گی، اس لیے نہیں بنوائے۔'' چنو چڑیا لاپرواہی سے بولی۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی! عید پر بھی نئے کپڑے نہ بنواؤ تو بھلا کیا خاک مزہ آئے گا پھر؟'' منو چڑیا بددل ہوئی۔

''وہ دیکھو، چاند نظر آ گیا۔'' چنو چڑیا آسمان پر باریک سے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوشی بولی۔

''مبارک ہو، مبارک ہو!'' منو چڑیا گلے لگ کر مبارک باد دیتے ہوئے خوش دکھائی دی۔

اسپیکر پر چڑیوں کی بڑی آپا نے عید کی نوید سنائی تو مبارک مبارک کی آواز سے فضا گونجنے لگی۔

چنو چڑیا پریشانی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں سوچنے لگی کہ کیا جنگل والے اس کا ساتھ اس سب میں دیں گے جو وہ کرنے جا رہی ہے۔

.....☆.....

جنگل میں خوشیوں کا سماں تھا، ہر طرف خوب گہما گہمی تھی۔ چڑیوں کا ٹولہ جھرمٹ بنائے گپیں ہانکنے میں مصروف تھا۔ چڑیا چوڑیاں پہننے کے لیے بے تاب دکھائی دے رہی تھیں۔

یہ جنگل کی روایت تھی کہ چاند رات کو تمام جانور اکٹھے مل بیٹھ کر عید کی خوشی کو دگنا کرنے کے لیے کچھ خاص کیا کرتے تھے۔

لومڑی جلدی جلدی کھیر بنانے کی تیاریوں میں مصروف ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھی۔ چھوٹے بڑے تمام جانور جنگل کی صفائی ستھرائی کر کے جنگل کو خوب صورت بنانے کے لیے کوشاں تھے۔ عید پر دوسرے جنگل سے آئے مہمان تعریف کیے بنا نہیں جاتے تھے۔ اس عید پر چنو چڑیا ایسے مہمانوں کو مدعو کرنا چاہتی تھی جن کے لیے اسے جنگل کے باقی دوستوں سے اجازت لینی تھی۔

''منو! جلدی جلدی پھول اور بوٹوں پر پانی کا چھڑکاؤ کرو، تاکہ یہ صبح تک نکھر جائیں۔'' چنو چڑیا، منو چڑیا کو باتیں بگھارتے دیکھ کر ٹوکے بغیر نہ رہ سکی۔

صبح تک جنگل کا گوشہ گوشہ مہکتا اور حسین دکھائی دینا تھا۔

''اس بار جنگل میں خاص مہمان جو ہوں گے وہ ہمارے پڑوسی جنگل کے باسی ہیں، جن سے ہمارے جنگل کے کئی سالوں سے روابط نہیں ہیں۔ یہ ہلکی پھلکی نوک جھونک کب لڑائی میں بدلی کسی کو پتا ہی نہیں چلا اور پھر معاملات اس قدر سنگین ہو گئے کہ دونوں جنگل کے مکین ایک دوسرے سے بات کرنا تک گوارا نہیں کرتے، مگر اَب ایسا نہیں ہوگا، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں

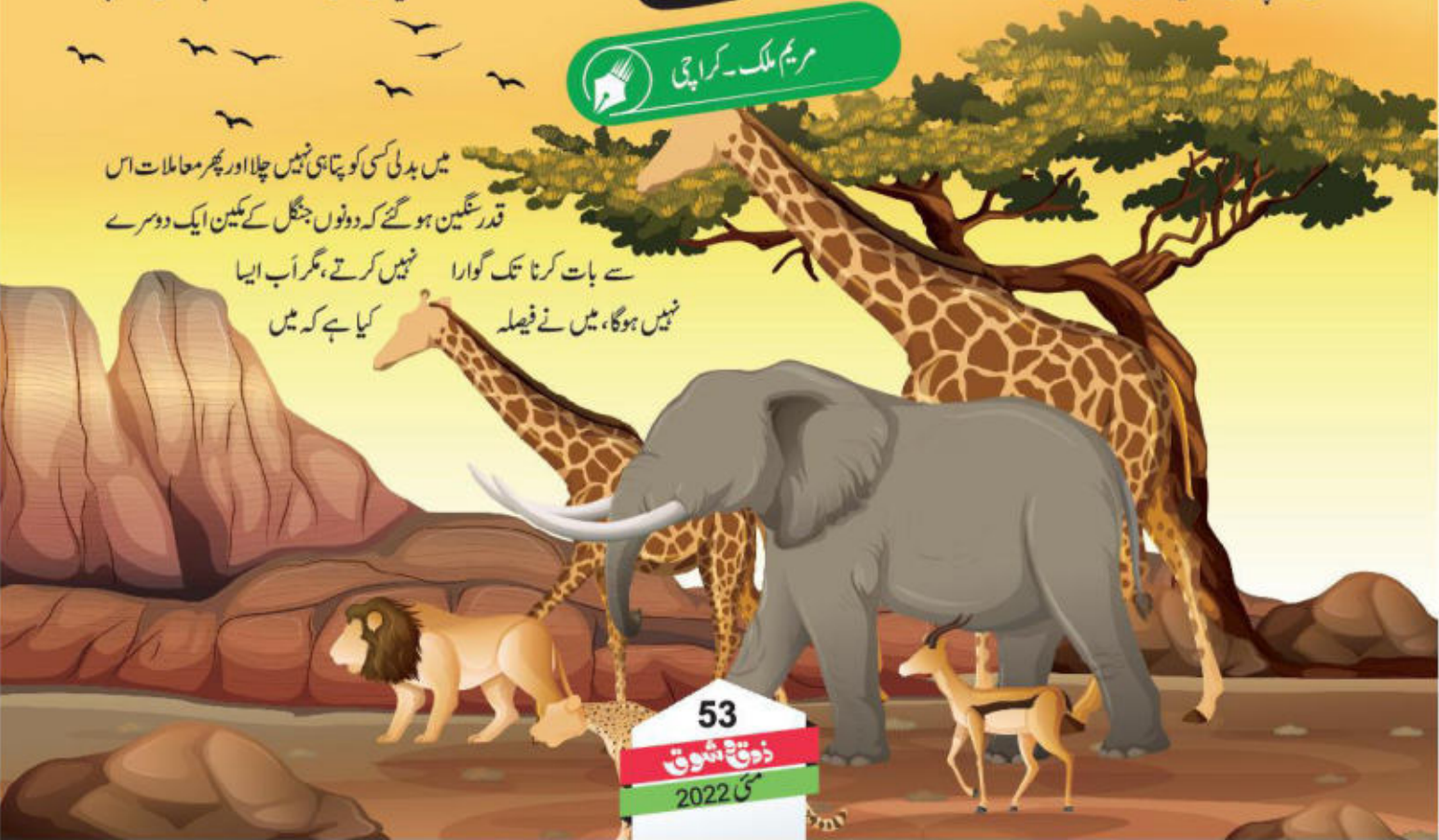

پڑوسی جنگل جا کر اِس لڑائی کا اختتام کروں گی اور صلح صفائی کی بات کروں گی۔ یہ نفرت فضا کی اب ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔'' چنو چڑیا نے تمام جانوروں کو اِکٹھا کر کے سمجھایا۔

''پَر یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔'' بی لومڑی بدحواس سی ہو کر بولی۔

''بی لومڑی! میں جانتی ہوں یہ سب آسان نہیں ہے، پَر کیا آپ سب نہیں چاہتے کیا کہ ہر طرف خوش حالی ہو اور ہمیشہ کے لیے یہ جنگل امن کا گہوارا بن جائے، اس کے لیے آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔'' چنو چڑیا پُرعزم لہجے میں بولی۔

تمام جانور، چنو چڑیا کے اس اقدام سے بے حد مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

.....☆.....

''دیکھو گلو بادشاہ! لڑنے جھگڑنے میں کیا رکھا ہے۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے اور نفرت دلوں میں زہر بھر دیتی ہے۔ ان نفرتوں اور بغض کو پڑوان چڑھا کر ہم اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ چلو، اب بس کریں اور ختم کریں اس لڑائی کو۔ میں آپ سب کو اِس عید کے موقع پر لینے آئی ہوں تو چلیں، آپ سب میرے ساتھ ہمارے جنگل۔'' چنو چڑیا دوسرے جنگل میں جا کر وہاں کے تمام جانوروں کو بے حد پیار اور خلوص سے سمجھانے لگی۔

چنو چڑیا اپنے جنگل کے سب سے ذہین اور سمجھ دار پرندوں میں شامل تھی۔

''اب چوں کہ تم آ چکی ہو ہمیں لینے کے لیے تو اِنکار کیا کرنا چنو! بس ختم ہو گئیں آج سے ہماری تمام لڑائیاں۔'' ببر شیر عرف گلو نے فراخ دلی کا مظاہرہ کر کے پیش کش قبول کی۔

کچھ دیر بعد دونوں جنگلوں کے جانور آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

''جو آج تک کوئی نہ کر پایا، چنو! تم نے آخر کر دکھایا۔ تمھارا یہ اقدام دونوں جنگل کے باشندوں کے لیے مسرت کا باعث بنا ہے۔ دونوں جنگل کے مکینوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کی فضا پھر سے قائم ہو گئی ہے اور یہ سب تمھاری بدولت ہوا ہے۔'' بی لومڑی مہمانوں کو کھیر اور مشروبات پیش کر کے چنو چڑیا کے پاس چلی آئی۔

''بی لومڑی! عید کا مطلب صرف میٹھا کھانا یا نئے کپڑے پہن کر خوش ہونا نہیں، بل کہ عید تو نام ہی ملاپ کا ہے، روٹھوں کو منانے اور بچھڑوں کو ملانے کا ہے۔ میری دعا ہے کہ دونوں جنگلوں کے درمیان یہ دوستی ہمیشہ قائم رہے۔'' چنو چڑیا لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے دعا گو تھی۔

''آمین!'' منو چڑیا ایک درخت سے دوسرے درخت پر جاتے ہوئے پَر پھیلا کر اُونچی اڑان بھر کر بولی۔

''میٹھی عید پر ہمارے رشتے پہلے سے زیادہ پائیدار اور میٹھے ہو گئے۔'' گلو آہستگی سے منمنایا تھا۔

بقیہ: تاریخ ساز فیصلہ

اس فیصلے کے نتیجے میں ایک طرف ورثا خون بہا پر راضی ہو کر شاہی خاندان پر احسان جتائیں گے اور دوسری جانب امیروں کی حوصلہ افزائی ہوگی کہ وہ کسی بھی غریب کی جان لے کر اُس کی معمولی قیمت ادا کر دیں، چناں چہ سلطان نے قاضی کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اس پر یہ تاریخی الفاظ درج کیے:

''میں اسے اخلاقی، سیاسی، انتظامی اور شرعی، ہر نقطۂ نظر سے غیر منصفانہ فیصلہ قرار دیتے ہوئے منسوخ کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے حکم اور فیصلے کے نتیجے میں میری بیٹی بیوہ ہو جائے گی، لیکن کسی حکمران کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی اولاد اور خاندان کی خوشی کے لیے امیروں کو غریبوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی اجازت دے دے۔ ایک غریب کی جان لیتے وقت ملزم اس غرور میں مبتلا رہا ہوگا کہ میں حاکم وقت کا چہیتا داماد ہوں اور اچھا داماد ہر ایک کو اپنی اولاد کی طرح عزیز ہوتا ہے۔ راضی نامہ بھی اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ملزم کو شاہی خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے رعایت دی گئی ہے۔ اگر یہی قتل ایک غریب کے ہاتھوں کسی امیر کبیر شخص کا ہوتا تو قاتل کو ضرور تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ غریب ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ خون بہا بھی نہیں دے سکتا تھا۔ شاہی خاندان کا کوئی بھی فرد بائیس اشرفیاں بڑی آسانی سے دے سکتا ہے، لہٰذا اِس فیصلے سے امیروں کو حوصلہ ملے گا اور غریبوں کی زندگی ارزاں سمجھی جانے لگے گی۔

ان اسباب کی بنا پر میں اپنی سلطنت میں امن اور اِنصاف کے قیام کے لیے اور قانونِ شریعت کے مطابق یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مذکورہ مقدمے میں قاتل کو سزائے موت دی جائے اور اُس کی لاش شہر کے چوراہے پر چوبیس گھنٹے تک لٹکائی جائے، تاکہ آئندہ کے لیے امیروں کو عبرت حاصل ہو اور وہ اس امید پر کسی غریب کی جان لینے کا حوصلہ نہ کر سکیں کہ اس کے وارثوں کو معمولی خون بہا ادا کر کے اپنی جاں بخشی کروا لیں گے۔

ہزاروں سفارشوں اور بڑے دباؤ کے باوجود اپنے فیصلے پر قائم رہنے والا یہ نیک صفت اور اِنصاف پسند حکمران جنوبی گجرات کا والی سلطان احمد شاہ تھا، جس کی تخت نشینی کے آٹھ سال پورے ہونے پر سن آٹھ سو ہجری میں جشن منایا گیا۔ سلطان نے چار و نا چار اور اہل دربار کے بے حد اِصرار پر جشن منانے کی محدود اِجازت دی تھی، جس میں امرا کے لہو و لعب نے ایک غریب شہری کی جان لے لی تھی۔ سلطان احمد شاہ نے اپنے داماد کو سزائے موت دے کر اپنی بیٹی کی بیوگی برداشت کر لی، لیکن عدل و اِنصاف اور رعایا پروری کی تاریخ میں اپنا نام رقم کر گیا۔

(ماخذ: مسلمان حکمران، از رشید اختر ندوی)

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق و شوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف گیارہ سو (1,100/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ذوق و شوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔

(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔)

خط و کتاب کا پتا:
ماہ نامہ ذوق و شوق، کراچی
پی۔او۔بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
ذوق شوق/Zouq shouq
zouqshouq@hotmail.com

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کروا سکتے ہیں:

1 منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق و شوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

2 بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

3 دستی۔
دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

4 جازکیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

کوپن برائے

بلاعنوان ۱۷۷

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے

ذوق معلومات ۷۶

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

سوال آدھا جواب آدھا ۳۲

نام: _____ ولدیت: _____

مکمل پتا: _____

فون نمبر: _____

ہدایات: جوابات ۳۱، مئی ۲۰۲۲ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں.....☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا.....

☆کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

SINCE 1999
KIDS COLLECTION SHOES
New Eid Arrival
رسالہ ساتھ لانے پر اور آن لائن کے لئے اشتہار کی تصویر واٹس اپ کرنے
پر 10% ڈسکاؤنٹ دیا جائیگا۔
Shopping Online At
Whatsapp: 0316-2709797
Facebook: /kidscollectionshoes
Website : www.kidskcs.com
Branch 1: Shop # 09, Star Centre, Near Chawala Centre,
Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34315359
Branch 2: Shop # 01, Saima Paari Glorious Opp.
Sindh Lab Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34382622

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk